چراغاں

مکتبۂ دانش مزنگ لاہور

نوائے کارگر

مُلک کے مایۂ ناز شاعر احسان دانش کے کلام کا قابل دید مجموعہ

کون نہیں جانتا کہ آج مُلک اور قوم کو جس شاعری کی ضرورت ہے۔ اُسے فطرت نے احسان کا حصّہ کر دیا ہے مُشاعروں میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ اسکے کلام کی داد تھرتھراتے ہونٹوں برستی آنکھوں اور بھرائی ہوئی آوازوں سے ملتی ہے۔ احسان صحیح معنوں میں فطری شاعر ہے اور الفاظ میں ایسی مُصوّری کرتا ہے۔ کہ وہ جس ماحول سے متاثر ہو کر شعر کہتا ہے۔ اپنے سامعین اور ناظرین کو بھی اُسی فضا میں گم کر دیتا ہے اور فطرت اُنکی نظر کے سامنے اپنا دُھندلے سے دُھندلا نقش اور نازک سے نازک پہلو تفصیل کیلیے بے نقاب کر دیتی ہے۔

احسان یُوں تو ایک وسیع النظر شاعر ہے۔ لیکن اسکا نصب العین ستم رسیدہ لوگوں کی ترجمانی اور مناظر فطرت کی نقاشی ہے

اِس کتاب کی اکثر درد انگیز نظموں اور خصوصاً نسوانی معاشرت کے بیمار پہلوؤں کی منظر کشی میں تو احسان اس قدر بلند ہو گیا ہے کہ ہر نظم شاعرانہ قدرت کا شاہکار معلوم ہوتی ہے۔

تغزل میں بھی اس کا وہی مخصوص انداز، جدت اور انوکھا پن نمایاں ہے اور بیشتر جگہ وہ وہ نوک پلک دکھا جاتا ہے۔ کہ ایک ایک شعر ایک ایک نظم کا حکم رکھتا ہے۔ قیمت صرف دو روپیہ ۲عہ۔ مجلد ۲عہ

پتہ:۔ مکتبہ دانش مزنگ لاہور

کتبہ: تاج زرین قلم لاہور

چراغاں

از

احسان دانش

مکتبۂ دانش مزنگ لاہور

قیمت عہ

انتساب

آبائی وطن ہونے کے باعث باغپت کی خاک کے ذرے ذرے سے
جو دلی محبت اور روحانی اُنس مجھے ہے اُسے محسوس کرتا ہوں
بیان نہیں کر سکتا!
یہ بھی اسی جذبۂ خلوص و محبت کا ایک نیم نمایاں سا پہلو ہے کہ اپنی ناچیز تصنیف

چراغاں

کو

جناب حافظ نواب محمد جمشید علیخاں صاحب رئیس اعظم باغپت

کے نام نامی سے معنون کرتا ہوں

اگرچہ — ؎ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا (غالب)

احسان دانش

ع۔ یہ خاموشی حسابِ دوستاں در دل نہ ہو جائے

از توقیر طاہر مرتّب کتاب ہذا

یہ چند سطور لکھنے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ لیکن چونکہ میں نے احسانؔ کی اس سے پہلی کتاب "نوائے کارگر" میں "اشارات" کے عنوان سے ایک مختصر سی تقریبی تحریر کے آخری حصّہ میں لکھا تھا کہ "احسانؔ کی دوسری کتاب میں اُس کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے اُس کی شاعری پر کچھ لکھنے کی کوشش کروں گا لیکن پیش نظر کتاب میں ایسا نہیں ——

کیوں؟

میں نے اپنے وعدہ۔ ارادہ اور عقیدہ کے مطابق تقریباً اٹھارہ صفحات کا ایک دیباچہ لکھا لیکن جب احسانؔ نے پڑھا تو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ کتابت ہو چکی ہے اور صفحات میں گنجائش نہیں اور کسی کتاب میں دیکھا جائیگا۔

اب ناظرین خود اندازہ لگالیں کہ یہ میری غفلت ہے یا احسانؔ کی سفاکانہ بے نیازی

لیکن خیر! ع

سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

توقیر طاہر۔ گنگوہی

جوابِ شکوہ

میرے عزیز دوست توقیر طاہر نے میرے کلام کی ترتیب میں جو زحمت اُٹھائی ہے وہ اگر اس کے دل کا تقاضا ہے تو شکریہ کے رسمی الفاظ نہ میرے جذبات کے حامل ہو سکتے ہیں اور نہ میں انہیں کسی طرح قابل توقیر خیال کرتا ہوں۔ اگر احساس کی غیرت نے اُسے فرض قرار دے کر ادائگی پر مجبور کیا ہے تو یہ اُس کا احسان ہے اور اگر یہ دونوں صورتیں نہیں ہیں تو میں چونکہ اس آخری فریبِ خلوص کے بعد زندگی بھر کوئی فریب کھانا نہیں چاہتا اس لئے ان تقریبی نقوش کو اپنی محرومی کی یادگار سمجھوں گا۔

6 ترکِ کامِ خود گرفتم تا بر آید کامِ دوست!

رہا مقدمہ کا معاملہ، اس میں شک نہیں کہ توقیر طاہر نے جو مقدمہ لکھ کر مجھے دکھایا اُس میں نہایت کاوش اور عرق ریزی سے کام لیا۔ لیکن مقدمہ یا دیباچہ کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ تقریظ کے پردے میں اپنے روحانی رازہائے لطیف کو افسانۂ محفل بنا دیا جائے۔

اس کا دوستانہ خلوص اور محبت اگر میری ذات تک محدود ہے تو اُسے الفاظ کا جامہ پہنا کر میری علیل مگر غیرتمند زندگی کو بے نقاب کرنا اور عوام کو اپنا حریف توجہ بنا کر میرے قلب و نظر کی یکرخی کو آزمانا چہ معنی دارد؟ ممکن تھا کہ کوئی گرامی جاہ ادیب بھی میرے اس مجموعہ کلام پر کوئی مقدمہ نما مدحیہ لکھنے کا ایثار گوارا کر لیتا۔ لیکن میرا دل نہیں مانتا کہ اپنے عیوب و

محاسن پر پُرشکوہ الفاظ اور رنگینی عبارت کا پردہ ڈال دوں اس لئے یہ کام میں اپنے قابل عزت نقّادوں پر چھوڑتا ہوں۔

میرا یہ دعویٰ ہرگز نہیں کہ میری ناچیز شاعری ارتقائی معیار پر پوری اُترتی ہے۔

؎ توبہ توبہ کہ خطاؤں سے مرکّب ہے بشر،

البتہ یہ ضرور عرض کروں گا کہ میں نے صداقت، اصلیّت، اور فطرت کو اپنی شاعری کا نصب العین بنانے کی کوشش کی ہے۔

اگر میں اس نصب العین کو اپنی شاعری میں قائم رکھنے میں کامیاب ہوا ہوں تو اس کا یہ سبب نہیں کہ میں کوئی غیر معمولی شاعر ہوں بلکہ اپنے فرض کی ادائگی میرے پیش نظر رہی ہے اور اگر میرا ناچیز کلام اس صنعت سے عاری ہے تو اس کی وجہ میری تہی مائگی اور عجز پرداز کے سوا کچھ نہیں۔

احسان دانش

فہرست

نقشِ فریاد ۱۷/۹۸

خداؒ	۱۷	سیاہ پوش لیڈر	۳۰
سرورِ کائناتؐ	۱۸	میزانِ عبادت	۳۵
پندارِ سرمدی	۱۹	گھاس والی	۳۶
سادگی و پرکاری	۲۱	مزدور کی شام	۴۱
عظمتِ اسلام	۲۴	فطرتِ زر	۴۳
طلسمِ زندگی	۲۵	غمزدہ	۴۶
		مزدور طالب علم	۵۲
		نگارے لبِ جوئبارے	۵۵

قصیدہ گو سے　۵۸
جلوس　۵۹
نظارۂ عبرت　۶۳
ایک لکھے پڑھے مشاعر سے　۶۴
مزدور کی بیوہ　۶۵
مکتب کا بچہ　۶۹
پردہ　۷۴
مایوسی　۸۰
حورِ بیاباں　۸۱
مغالطہ　۸۳
تین ہندوستانی　۸۴
مزدور عورت　۹۲
گوالے　۹۶
سزائے ناکامی　۹۸

لالہ وگل　۹۹/۱۳۵

احساسِ مسرت　۱۰۱
ایک خوش پوش شہری سے　۱۰۲
شامِ برشگال　۱۰۳
خوشگوار لمحے　۱۰۵
آفتاب تازہ　۱۰۷
تیری آواز　۱۱۰
آئینۂ سحر　۱۱۱
کاروانِ بہار　۱۱۲

یادِ ماضی ۱۱۳
جوانمرد ۱۱۵
طلوعِ ماہ ۱۱۷
انجامِ شب ۱۲۰
ساون کی گھٹا ۱۲۲
مہتاب در مہتاب ۱۲۴
شملے سے سمر ہل آتے ہوئے ۱۲۸
برگِ خشک ۱۳۰
جلوہ زارِ صبح ۱۳۱
سائے کی خاصیت ۱۳۳
نقشِ ناتمام ۱۳۴
سکون و اضطراب ۱۳۵

تیرِ نیمکش ۱۳۶/۱۶۴

سوزِ آتش بجاں ۱۳۹
کیفِ شام ۱۴۰
ایثارِ محبّت ۱۴۱
رومانی برسات ۱۴۲
راز کی بات ۱۴۴
غلط فہمی ۱۴۵
شکوۂ التفات ۱۴۸
عشق اور مجبوری الخ ۱۴۹
قلب و نظر ۱۵۵
حرمانِ شوق ۱۵۶

کہاں ہے ؟ ۱۵۸
عرضِ ناتمام ۱۵۹
اشارات ۱۶۰
ایک ناتمام رومان ۱۶۳

گذرگاہِ خیال ۱۶۵ تا ۲۰۰

آہ اے اقبال ۱۶۷
بوڑھے سرمایہ دار سے ۱۷۱
دورِ سیاست ۱۷۲
لمحہ فکریہ ۱۷۴
مشورات ۱۷۷
سخن پارہ ۱۷۹
دشواریٔ شوق ۱۸۰
ایک راز ۱۸۱
نشاطِ ناکامی ۱۸۲
ماں کا رُتبہ ۱۸۷
نوجوان دولھا سے ۱۸۹
انحرافِ بیجا ۱۹۱
دست برداری ۱۹۲
سالِ نو ۱۹۳
چراغِ رہگذر ۱۹۶
پروگرام ۱۹۹
مجبوری ۲۰۰

غزلیات ۲۰۱ تا ۲۳۱

نقش فریاد

خدا

منکر کی دلیل اُس کا مفہوم نہیں ہوتی
تائید خدا دل سے معدوم نہیں ہوتی

وہ ذات دو عالم کی ہر چیز کے باطن میں
محسوس تو ہوتی ہے معلوم نہیں ہوتی

سرورِ کائنات

قرآن سامنے ہے احادیث روبرو
حیران ہوں سکوت کو توڑوں تو کیا کہوں
بے مثل اور اُس پہ زمان و مکاں کی قید
نورِ خدا کہوں کہ ظہورِ خدا کہوں

پندارِ سرمدی

فضائے عالم سے رفتہ رفتہ سیاہ پردے اُٹھا رہا ہوں
مرے نیستاں کا تنکا تنکا نوازنِ انقلاب ہو گا
کنشتِ ہستی کا ہر پُجاری پرستشِ سوزِ دل کرے گا
ٹھہر ٹھہر معبدِ حقیقت ابھی ابھی بے نقاب ہو گا
جُھکیں گے مغرور اور خود سر نگاہِ شیونِ طلب کے آگے
اُٹھے گا نالہ جو میرے دل سے وہ عرش تک باریاب ہو گا
اُٹھے گی جب تیرہ اختروں پر نگاہ بیکس نواز اُس کی
ہر ایک ذرّے کا قلبِ روشن نظر گہِ آفتاب ہو گا

اُٹھیں گے رمز آشنائے نغمہ چھڑیں گے سازِ فغان و شیون
ہر ایک رنگیں ادا مغنیؔ ہلاکِ تارِ رباب ہو گا

مری نظر میں جہاں کی ہر شے جمالِ عُریاں کا ہے تماشا
اگر یہی پردہ داریاں ہیں تو کون ناکامیاب ہو گا

طلسمِ اُلفت کی خیر یا رب کہ چند دیوانے کہہ رہے ہیں
یہ حُسن کا بیحجاب جلوہ کسی کا آخر حجاب ہو گا

سوادِ مشرق کے پاسبانو پیمبرِ صبحِ زر فشاں ہوں!
مری نگاہیں جدھر اُٹھیں گی ہجومِ صد آفتاب ہو گا

دلِ حزیں نامرادیوں سے کچھ ایسا مانوس ہو گیا ہے
کسی کی غفلت کے نام میری حیات کا انتساب ہو گا

ادب کی دھندلاہٹوں میں احسانؔ اُٹھا ہوں لیکر چراغِ جدت
خدا نے چاہا تو میرا دیواں زمین کا آفتاب ہو گا،

سادگی و پُرکاری

ایک صبح میں اپنے ایک دوست کے ہمراہ اُن کے کولھو کی طرف جا رہا تھا (جہاں گنے پیلے جاتے ہیں) راستے میں ایک مزار آیا جہاں فاتحہ خواں مرد و زن کا ہجوم چڑھاوے چڑھا رہا تھا۔ وہاں کے سجّادہ نشین نے مجھے تہی دست و تہی داماں دیکھ کر سب کے بعد فاتحہ خوانی کی اجازت دی۔

احسانؔ

یہ سردیوں میں خموش جنگل فضا میں مستی ہوا میں نرمی
پڑا ہے پالا دبی ہوئی ہے زمیں کے قلب و جگر کی گرمی
نکلتے سورج کی زرد کرنیں فضا سے چھن چھن کے آ رہی ہیں
غنودگی میں ہیں نرم پودے ہوائیں جھولا جھلا رہی ہیں

وہ اک کھٹولے پہ جھونپڑی میں کسان بیچارہ سو رہا ہے
جہاں سے ٹوٹا تھا ایک پایہ وہاں کنستر لگا ہوا ہے
کڑاہیوں میں رس اُبل رہا ہے ہوا میں خوشبو رمی ہوئی ہے
رَچی ہوئی ہے دھوئیں سے تھونی گھروں پہ کائی جمی ہوئی ہے
پڑی ہے اک الگنی پہ صافی سیاہ جالے لٹک رہے ہیں
سیاہ جالوں میں خار و خس کے مہین تنکے اٹک رہے ہیں
ملی نہیں خواب سے جو فرصت ہوا کمیروں پہ کسل طاری
مگر ابھی تک ہنکار رہے ہیں غریب بیلوں کو باری باری
ہیں جمع دہقان آگ کے گرد دور حقے کا چل رہا ہی
دُھواں زمیں سے بلند ہو کر ہوا پہ کروٹ بدل رہا ہی
فضا میں بیلوں کی گھنٹیوں سے چھڑی ہوئی جلترنگ سی ہے
ہیں رقص میں زر فروش کرنیں ہر ایک شے پہ اُمنگ سی ہے

جو کھیت گنّوں کا کاٹتے ہیں اُٹھے ہیں خالق کا نام لے کر
کہ دن کی تکلیف اُن کو چھوڑے گی رات کا انتقام لے کر

یہ بات احساںؔ راز کی ہے بجز مرے اور کون جانے
کہ خانقاہوں کی محفلوں سے مفید تر ہیں یہ کارخانے

یہاں کی تقدیس میں ریا ہے نہ آستینوں پہ خونِ ایماں
یہاں تو ہر اک نظر ہے سجدہ وہاں ہے مومن شکارِ قرآں

بہارِ فردوس کا ہے ضامن ہر ایک رنگیں گناہ ان کا
عروج دیتا ہے کافری کو یہ نعرۂ لا الٰہ ان کا

ان آدمی زاد بھیڑیوں نے ہزاروں کافر بنا دیئے ہیں
گھنیری داڑھی کی جنبشوں نے چراغِ ایماں بجھا دیئے ہیں

فریب ہے ہر خیال ان کا ریا ہے سب حال و قال اُن کا
گذرتا ہے عُرس کی بدولت قمر جبینوں میں سال اُن کا

جو لُوٹ لیتے ہیں دن دھاڑے وہ راہزن رہنما بنے ہیں
شریر عصیاں شعار دیکھو خدا کے ہوتے خدا بنے ہیں

عظمتِ اسلام

بدلا ہے تصوّف نے شریعت کی روش کو
یہ میرے لئے جادۂ تسلیم نہیں ہے
میں مردِ مجاہد کے عزائم کا ہوں قائل
ہر چند کہ بیداری و تنظیم نہیں ہے
اسلام ہے اک مذہبِ مُستحکم و جاوید
قرآن میں گنجائشِ ترمیم نہیں ہے!!!

طلسمِ زندگی

صُبحدم اک دن فلک پر ہلکا ہلکا ابر تھا
رقص کرتی تھی فضاؤں میں ہوائے جانفزا
پھُول کی ہر ایک پتّی پر تھا فطرت کا نکھار
دل پہ جادو کر رہا تھا رنگ و بوئے لالہ زار
دفعتہً چمکی اُفق پر مہر کی پہلی کرن
جگمگا اُٹھّی گلابی بدلیوں کی انجمن
صُبح نے یوں پھُونک دی ہر جسم میں روحِ بہار
جس طرح سبزے پہ ہو برسات کی پہلی پھُوار

یا کہیں کُہسار کے دامن میں شغلِ میکشی
یا لبِ جُو چاندنی میں میٹھی میٹھی راگنی
یا کھُلے میداں میں جب ہو ماہِ کامل جلوہ گر
بانسری کی نیمگرم آواز کا دل پر اثر
جھونکا جھونکا تھا شرابِ خوشگوارِ حُسنِ دوست
خارزاروں میں جھلکتی تھی بہارِ حُسنِ دوست
جا رہا تھا والہانہ طرز سے گاتا ہوا،
اشرف المخلوق کہلانے پہ اِتراتا ہوا،
تھی مرے دائیں طرف گورِ غریباں کی زمیں
جس میں زیرِ خاک سوتے تھے ہزاروں نازنیں
پاس کونے کی طرف برگد کے سائے کے قریب
جب نظر اٹھی تو دیکھا سانحہ میں نے عجیب

آنسوؤں کی بارشوں میں فاتحہ کے شور میں
اک جواں میّت اُتاری جا رہی تھی گور میں
رُو نمائی کے لئے جب وَا کئے بندِ کفن
تلملا اُٹھی مِری عبرت کی غافل انجمن
دل یہ بولا دیکھ لے ناداں مآلِ زندگی!
اُڑ گیا اک آن میں رنگِ جمالِ زندگی
گُم ہوئی غم خانۂ دل سے مسرّت کی جھلک
چھن گیا آنکھوں کا جادو لُٹ گئی رُخ کی دمک
مٹ گیا زعمِ جوانی کھُل گیا رازِ شباب
زندگی ہے خشک جنگل میں کسی پیاسے کا خواب
طبع پر جس کی گراں کل تک تھی ہمرازوں کی بات
خاک کا اک ڈھیر ہے آج اُس کی ساری کائنات

اُس کی اُمیدوں کا دنیا میں کوئی والی نہیں
اس کی سانسوں کیلئے کوئی جگہ خالی نہیں
طنطنہ اس کا گھٹاؤں کی گرج میں کھو گیا
رُوح کا شعلہ جلالِ برق میں گم ہو گیا
رُک گئی ساحل پہ جا کر کشتئ عمرِ رواں
اب نہ لنگر کام دیتا ہے نہ اُس کا بادباں
یہ وہ شعلہ ہے جسے گردوں دبا سکتا نہ تھا
لیکن اُف موجِ فنا کی تاب لا سکتا نہ تھا
آنکھ سے جاتے رہے معجِ نظر کے پیچ و تاب
ایک سازِ بے صدا ہے اب تکلّم کا رباب
مطلعِ ہستی پہ ابرِ نیستی چھا کر رہا!
ذرّہ ذرّہ اپنے مرکز کی طرف جا کر رہا!

کل جو گویا تھا وہ سب بھولا ہوا ہے قیل و قال
دیکھ آنکھیں کھول، یہ ہے زندگانی کا مآل!
نزع کے ٹھنڈے پسینوں میں تبسّم بہہ گئے
دل کی شریانوں میں جذبے سرد ہو کر رہ گئے
کل تھا جس کی گفتگو میں خودستائی کا وفور
آج اُس کی عاجزی پر خون روتا ہے غرور
کھِل کے فوراً زندگانی کی کلی مرجھا گئی
شوق کے ذی رُوح نغموں پر خموشی چھا گئی
خودستائی کا سفینہ غرقِ مجبوری ہوا
بھولے بھالے، یہ ہے انجامِ حیاتِ بے وفا!
آئینہ جس نے اُٹھایا ہے سنورنے کے لئے
اُس سے کہہ دو، زندگی ملتی ہے مرنے کے لئے!

سیاہ پوش لیڈر

شہر کے مزدور طبقے میں جہاں ہر دل ہے صاف
ایک لیڈر ہے بعنوانِ بغاوت گرمِ لاف
ان غلاموں کے نگر میں جاہلوں کے دیس میں
فتنۂ محشر ہے گویا آدمی کے بھیس میں
کالعدم قندیلِ پیشانی سے دل کی روشنی
رُخ پہ کذب وافترا کی تیرگی چھائی ہوئی
پیرہن ہے مجرمِ نظر کے پائے قاتل کی طرح!
سربسر غرق سیہ پوشی سیہ دل کی طرح!

چشمِ خود بیں میں حصولِ زر کے ارماں نو بہ نو
لغو گو ہونٹوں پہ حق کی اوٹ میں باطل کی رَو
ناطقہ کے بازوؤں پر بے اثر لفظوں کا بار
خال و خد نقطہ بہ نقطہ رہزنی کے اشتہار
گلشنِ ایماں کے ہر اک پھول میں بوئے دروغ
راستی لحظہ بہ لحظہ گامزن سوئے دروغ
جسم پر بڑھتی، سمٹتی، خودسری کی جھرّیاں
جنبشِ ابرو میں اندازِ جفائے آسماں،
سفلگی کے داغ لاکھوں دامنِ تقریر پر،
دلنوازی کا پھریرا ظلم کی تعمیر پر
کارگاہِ زہد سے بوئے ریا آتی ہوئی
رہنمائی ہر قدم پر ٹھوکریں کھاتی ہوئی

دیکھ اے ہندوستاں مجھ خستہ جاں کی بات سُن!
شاعرِ مزدور پامالِ جہاں کی بات سُن!

یہ ہیں تیرے خضرِ ملت! یہ ہیں تیرے سرپرست!
یہ ہیں تو جن کی زباں کی آر سے بھڑ رہا ہے حسیت
یہ ہیں تیری سرزمیں نازاں ہے جن کی ذات پر
یہ ہیں جن کی مُہر لگتی ہے تری آفات پر
یہ ترے رہبر یہ تیرے پیشوائے قوم ہیں!
یہ ترے گرداب طینت ناخدائے قوم ہیں
ہوتے ہوتے ان کی فطرت ہوگئی ایسی عجیب
منعموں میں ہیں یہ منعم اور غریبوں میں غریب
خلوتوں میں شورے مزدور و دہقاں کے خلاف
جلسہ گاہوں میں سراسر اہلِ زر سے انحراف

دوڑتا ہے اِن کا مرکب جادۂ تخریب پر

داغ ناپاکی کے ہیں یہ دامنِ تہذیب پر

اِن کی سرد آہوں کے پردے میں حسد کی آگ ہے

ان کے ہاتھوں میں سیاسی زلزلوں کی باگ ہے

یہ غریبوں کی تباہی کو سمجھتے ہیں بہار

شورشوں کی آگ بھڑکاتے ہیں یہ عصیاں شعار

ان کے سینوں میں دغا چھپ چھپ کے ہوتی ہے جواں

کورباطن ہی انھیں سمجھے گا اپنا پاسباں

جیلخانوں میں ہے ان کے دم سے آبادی کا رنگ

مقصدِ ہستی ہے ان کا گائے اور باجے پہ جنگ

دشمنِ انصاف ہیں یہ والۂ جام و سُبو

ان کے افسانے کی سُرخی ہے غریبوں کا لہو

واسطہ کیا ان کے سینے سے ضیائے نور کو
کیا تعلّق ان خزف پاروں سے برقِ طور کو
مکر کے پتلے ہیں اپنی آن کے محکوم ہیں
حرص کے مارے ہوئے شیطان کے محکوم ہیں
جب غریب و بینوا ہوتے ہیں پامال و خراب
اس پریشانی کو کہتے ہیں یہ ظالم انقلاب
اب بھی بہبودی اگر چاہے تو اے ہندوستاں
موڑ اپنے توسنِ غور و تفکّر کی عِناں
ان کی پھیکی بے نمک تقریر کو ہرگز نہ سُن
لگ چکا ان کی صداقت کو ریاکاری کا گھُن
ان کی جنّت سے نہ خوش ہو ان کے دوزخ سے نہ ڈر!
فی الحقیقت تاجرِ ایمان و دیں ہیں یہ بشر

جن سیہ کاروں کو دُنیا میں نہیں ملتی پناہ
آڑ لیتے ہیں وہ دامانِ وطن میں روسیاہ
ضعف سے ہوتی ہے جب تعلیم کی دیوی نڈھال
چارہ گر کا رُوپ بھر لیتا ہے قوموں کا زوال

میزان عبادت

سمجھتے ہیں ہم شیخ کی بندگی کو
یہ نشّہ ہے لذّت ہی یا کیفیت ہی
جوانی کا ردّ عمل ہے ضعیفی
عبادت باندازۂ معصیت ہی

گھاس والی

گرمی کی دوپہر تھی تمازت کا دور تھا
گونجی ہوئی تھی دشت میں تپتی ہوئی ہوا
چھایا ہوا تھا وسعتِ صحرا پہ اک جنوں
مٹّی سے اٹ رہا تھا رُخِ چرخِ نیلگوں،
عنوانِ اضطراب جبینِ جہاں پہ تھا
بادل کا نام تک نہ کہیں آسماں پہ تھا
اُٹھتے تھے جو بلند بگولے اِدھر اُدھر
مینارِ آتشیں کا گماں تھا ہر ایک پر

سمٹے ہوئے تھے گرد سے پتے اَٹے ہوئے
چکرا رہے تھے ڈار سے آہو کٹے ہوئے

غش کھا رہی تھیں لو کے طمانچوں سے ٹہنیاں
تھے جانکنی میں پھول سِسکتا تھا گلستاں

لو سے ہر ایک شاخ کا سر تھا جھکا ہوا،
سائے میں تھا ہر ایک مُسافر رُکا ہوا

موجیں تھیں یا اُبال تھا آبِ چنابؔ میں
ڈر تھا کہ کھنچ نہ جائے زمیں آفتاب میں

جُھلسے ہوئے درخت تھے جنگل تپا ہوا،
شیشے میں دوپہر کے تھا دوزخ ڈھلا ہوا

چکرا رہا تھا دھوپ سے کھولا ہوا دماغ
بکسے ہوئے تھے موجِ نفس سے جگر کے داغ

بپھرا ہوا تھا چار طرف بحرِ آتشیں
تانبا سا تپ رہی تھی پسینے سے تر جبیں،
جائے اماں نہ تھی کہیں کوسوں اُجاڑ میں
نظریں بھی چھپ رہی تھیں درختوں کی آڑ میں
انساں نہ دُور دُور سرِ رہگذار تھا
گرمی کی دوپہر تھی کہ طغیانِ نار تھا
تھی زندگی کشاکشِ امیدّ و بیم میں
عالم تھا غرق جوششِ نارِ جحیم میں
سُوکھے ہوئے درخت کے نیچے کنوئیں کے پاس
اک رشکِ حُور غیرتِ سلمیٰ، مگر اُداس
جو جا رہی تھی گھاس کی گٹھری لئے ہوئے
بیٹھی تھی رُخ پہ ہاتھ سے سایہ کئے ہوئے

آثارِ غمِ شباب کی زندہ نگاہ میں،
رستے کی ریت کوچۂ زلفِ سیاہ میں
آنکھوں میں اک تبسمِ رنگیں کا انتشار
چادر خزاں کی دوش پہ ڈالے ہوئے بہار
بکھرے ہوئے شباب پہ میلا سا پیرہن
رنگِ بہارِ صبح مگر کشتۂ محن،
ہونٹوں پہ موجِ نور تھی مقہورِ خامشی
موسیقیٔ شباب تھی مجبورِ خامشی
آئینہ دارِ گردشِ دوراں تھا بر ملا
روئے گلاب گوں پہ پسینہ بہا ہوا
اُٹھی جگر میں ٹیس مرے دل کو غم ہوا
سو بار سر بھی بارِ ندامت سے خم ہوا

دل نے کہا کہ قابلِ رحمت کبھی نہیں
یہ ہند کی گناہ میں ڈوبی ہوئی زمیں
تُف اس اُصولِ زیست پہ لعنت شعور پر،
حسن اور سر بہ خم درِ کبر و غرور پر؟
نرغے میں دھوپ کے ہے نزاکت ستم ستم
مٹّی میں مل رہی ہے لطافت ستم ستم
رُوحِ بہار خارِ مغیلاں کو دے خراج
خورشید اور شبنمِ لرزاں کو دے خراج
عورت، جو کردگارِ محبّت جہاں میں ہے
اُس کی یہ قدر خطّہ ہندوستاں میں ہے!

مزدور کی شام

غروبِ مہر، گردوں پر شفق، چپ چاپ ویرانہ
زبانِ شام پر ہے دن کی ناسازی کا افسانہ
رواں ہے اس طرح مزدور گھر کی سمت جنگل سے
کھنچا جاتا ہو جیسے شمع کے جلووں میں پروانہ
تہی آنکھیں، تہی سینہ، تہی کیسہ، تہی دامن
سلگتا آتشِ شب رنگ سے راحت کا کاشانہ
چٹختی ہڈیوں سے اک کھٹک صحرا کے سینے میں
دھڑکتے دل کے سازِ غم سے پیدا سوزِ عرفانہ

پھٹے کُرتے کی ہلتی دھجیاں ٹھنڈی ہواؤں میں
زبانِ حال سے کہتی ہوئی عُسرت کا افسانہ
برستی جا رہی ہے ٹوکری سے بھُربھُری مٹّی
نکھرتا جا رہا ہے خاک سے حُسنِ شریفانہ
دلِ محزوں کی ہر دھڑکن کسک ہر سانس اک نشتر
لبوں پر مانعِ فریاد اندازِ کلیمانہ
تصوّر بال بچّوں کا تفکّر اپنی روزی کا
قدم دُھندلی سی بٹیا پر، تخیّل میں الم خانہ
پھٹی دستار کا ہر تار ہے عنوانِ مجبوری
برہنہ پاؤں کا ہر نقش ہے نکبت کا افسانہ
فضا کے لب پہ ہے اک پیشگوئی حشرِ دولت کی
زمیں کے دوش پر ہے ارتقاء کی زلفِ بے شانہ

فطرتِ زر

(لاہور کے ایک نیک دل سرمایہ دار کے حُسنِ اخلاق سے متاثر ہو کر)

اک دن کہ دوپہر کی جوانی تھی کامیاب
آتش فشانیوں میں تھا مصروف آفتاب

تھی بام و در پہ روحِ جہنّم فسانہ خواں
جھنجلائی سی زمین بھڑکتا سا آسمان

طیّارہ دھوپ میں جو اُٹھے گل کے گر پڑے!
طائر اُڑے فضا میں تو پر جل کے گر پڑے!

ایسے میں اک مریضِ ادب خستہ و زبوں
لے کر عقیدتوں کا ابھارا ہوا جنوں

ہر سانس میں خلوص کی خوشبو لئے ہوئے
دل میں خیالِ خدمتِ اردو لئے ہوئے
سودا رسوخ کا، نہ جنونِ مصاحبت
سرسام منتوں کا، نہ خبطِ ملازمت
خواہش نہ قرض کی، نہ سفارش کی آرزو
شہرت کی اور نہ دادِ نگارش کی آرزو
ملنے کو اک محافظِ اُردو کے گھر گیا
روکا ہزار ذوقِ خودی نے مگر گیا
نیکی کا جس کی سارے زمانے میں شور ہے
اس میں بھی زور اس کے قلم میں بھی زور ہے
ہے جس کے رنگِ رُخ کا زر و سیم پر مدار
قرنوں سے کامگار ہے پشتوں سے مالدار

لیکن بغیر پوچھے کہ آنے کا کیا سبب؟
اس دھوپ میں عذاب اُٹھانے کا کیا سبب؟

باصد غرورِ جاہ و باندازِ پیچ و تاب
دولت کی بیخودی نے یہ بڑھکر دیا جواب

آرام کا یہ وقت ہے اس وقت جایئے!
گر ہو سکے تو شام کو تشریف لایئے!

ارماں بھری نگاہ کو چکر سا آگیا
دُنیائے آرزو میں اندھیرا سا چھا گیا

رنگیں بیانیوں کے قدم رُک کے رہ گئے
خودداریوں کے سبز عَلم جھک کے رہ گئے

ثابت ہوا کہ فطرتِ زر میں غرور ہے
شہرت کا طمطراق حقیقت سے دُور ہے

غمزدہ

نورافشاں تھی جہاں پر اک شبِ ماہِ صیام
صُبح کے روزے کی نیّت کر چکے تھے خاص و عام

ہو چلا تھا نور کے تاروں میں پیدا ارتعاش
صحنِ شب میں تھے سحر کے آبگینے پاش پاش

مست و کیف آور ہواؤں سے فضا سرشار تھی
پتّی پتّی نازِ فطرت کی امانت دار تھی

اُٹھ رہے تھے خواب سے انگڑائیاں لیکر شجر
سبز کاہی رنگ ہر پتّے کا آتا تھا نظر

عکس تھا انوار کا آئینۂ ظلمات میں
ہو رہی تھی صُبح کی تعمیر کالی رات میں
گاؤں کے باہر کنوئیں کے گرد کھیتوں کا سماں
بھر رہا تھا سینۂ شاعر میں ناطق بجلیاں
جھاڑیوں میں سنسناتی تھی جو تیزی سے ہوا
کان میں آتی تھی شہنائی کی مدّھم سی صدا
کھیتیوں کی گہری گہری سبزیوں پر تھی بہار
چھیڑ رکھا تھا عروسِ صُبح نے زرّیں ستار
دے رہے تھے اپنے ذرّوں سے جواب کہکشاں
راستوں کی ریت پر گاڑی کے پہیّوں کے نشاں
اتفاقاً سوئے گورستاں ہوا میرا گذر
پڑتی ہے جا کر جہاں انجام ہستی پر نظر

بیخودانہ زندگی میں موت کا تھا اشتباہ
کھل رہی تھی ذرّے ذرّے میں فنا کی درسگاہ
ٹیس تھی دل میں نمی تھی چشمِ حیرتناک میں
تھے فنا کے خواب رقصاں دیدۂ ادراک میں
راستے سے فاصلے پر مقبروں کے درمیاں
نرم مٹّی پر تھے نازک پاؤں کے تازہ نشاں
خشک تھے نقشِ قدم پُر نم تھی شبنم سے زمیں
صاف ظاہر تھا ابھی گذری ہے کوئی نازنیں
لے گئے مجھکو وہاں وہ دلنشیں نقش و نگار
تھی جہاں اک ڈھیر پر وہ جو روشِ ماتم گسار
جل رہا تھا جھاڑیوں کی اوٹ میں دھندلا چراغ
جس کے نظّارے سے آنکھیں کھو لدیں سینے کی داغ

رنگ رلیوں کا زمانہ عارضِ گلگوں اداس
چوڑیوں سے ہاتھ خالی زرد ماتھے پر ہراس
گیسوئے شبگوں ہوائے سرد میں عنبر فشاں،
جھاڑتی تھی جن سے تربت کی زمیں وہ خستہ جاں
ہونٹ تھرّاتے تھے اظہارِ جگر افگار سے
خاکِ مرقد کو تھپکتی تھی گلِ رُخسار سے
زیبِ تن تھا بے نیازِ تکمۂ رنگیں پیرہن
جھک کے کہتی تھی کہاں ہے! دیکھ آئی ہے دُلھن
مجھکو کیا معلوم تھا یوں رنج دے گا روزگار
یوں لٹے گی میرے گلزارِ جوانی کی بہار
ہوگئی میرے سکون و صبر کی دُنیا تباہ
موت بھی مجھکو نہیں دیتی ہے، دامن میں پناہ

مرنے والے بول آخر کس لئے خاموش ہے؟
میری کس تقصیر پر کل شام سے روپوش ہے
میں وہی ہوں کل جو کہلاتی تھی جانِ زندگی
کھول آنکھیں ہو چکا اب امتحانِ زندگی!
کیا مرا گریہ ترے سینے کو گرماتا نہیں؟
رحم کیا تجھ کو مری فریاد پر آتا نہیں؟
یہ کتابِ آرزو کی دلنشیں تفسیر ہے
کیا وفا کے خواب کی عبرت فزا تعبیر ہے
یہ ہے شوقِ جانثاری کا مآلِ جلوہ کار؟
کیا یہی ہوتا ہے مجذوبانِ اُلفت کا شعار؟
میں محبّت کو یہ سمجھی تھی نشاطِ دل ہے یہ
اب کھلا عقدہ کہ بحرِ مرگ کا ساحل ہے یہ

یک بیک پھر ہو گئی وہ پیکرِ حسرت خموش
غفلتوں کو مکتبِ غم سے ملی تعلیم ہوش

جھلملا اُٹّھے گھنی پلکوں پہ آنسو آبدار
اس قدر روئی کہ ٹھنڈی ہو گئی شمعِ مزار

دل نے دی آواز دیکھ اے شاعرِ منظر نگار
یہ مسافر اور یہ اُلفت کی سنگیں رہگذار

صنفِ نازک کی وفا میں ہمّتِ مردانہ ہے
شمعِ کشتہ پر بھی جلتا ہے یہ وہ پروانہ ہے

مزدور طالب علم

جہاں گنگ ہے نصف رات آچکی ہے
بشاشت کو افسردگی کھا چکی ہے

ہے بے نور بازار دلداریوں کا
مقفّل ہے مذبح ریاکاریوں کا

مسافر نہیں شاہراہوں میں کوئی
دیا تک نہیں خانقاہوں میں کوئی

ہے بھرپور تاریکیوں کی جوانی
شبابوں پہ ہیں انجمِ آسمانی

صدا بوم کی دور سے آ رہی ہے
غنودہ سماعت کو چونکا رہی ہے

منڈیروں پہ خاموشیاں گا رہی ہیں
ستاروں پہ بیچینیاں چھا رہی ہیں

شبِ تار زلفوں کو کھولے ہوئے ہے
سیاہی خموشی میں گھولے ہوئے ہے

مساجد بھی چپ ہیں شوالے بھی چپ ہیں
پجاری بھی چپ پجنے والے بھی چپ ہیں!

مگر اک محلّہ کے خستہ سے گھر میں زمیں کے جگر پر، فلک کی نظر میں

ادھیڑ ایک انساں گردن جھکائے دیا اک کنستر کے اوپر جلائے

ترقی کی دُھن سے جبیں پر پسینہ مقدّس خیالوں سے معمور سینہ

نہیں دیدۂ شوق میں خوابِ راحت مشقّت کے رُخ پر ہے رنگِ شجاعت

پسینے میں بھیگا ہوا پیرہن ہے بہاروں پہ افلاس کا بانکپن ہے

نہ تازہ ہوا ہے نہ پنکھا نہ پانی ہے فکرِ ترقّی میں ڈھلتی جوانی

نصیبوں میں پیدا چمک کر رہا ہے
سبق یاد اس وقت تک کر رہا ہے

مُبارک ہو اے ہند مزدُور جاگا! زمانے کا پامال و مقہور جاگا!

غبارِ حزیں کو بلندی کی سُوجھی تنزّل کو رفعت پسندی کی سوجھی

تمدّن کی تقدیر نے آنکھ کھولی اندھیرے میں تنویر نے آنکھ کھولی

شہادت کا لختِ جگر چونک اُٹھا صداقت کا نورِ نظر چونک اُٹھا

خدا قابل ناز بندوں کو سمجھا
فدا کار و جانباز بندوں کو سمجھا

وہ دن اب نہیں دُور جب ہر قدم پر نچھاور کرے گا فلک لعل و گوہر
تری بزم کی بزم دلشاد ہو گی، خموشی میں گلبانگ آباد ہو گی
مسرّت حکومت کرے گی الم پر فدا ہو گی منزل ترے ہر قدم پر
ہنرمندیاں علم میں ہیں وہ پنہاں بنا دیں جو آتش کدوں کو گلستاں

جو کانٹوں کو کلیوں کا ہمسر بنا دیں
جو کنکر کو ہمتاب گوہر بنا دیں

نگارے لبِ جوئبارے

فلک پہ مشرق کے آئینے میں سحر کھڑی مسکرا رہی ہے
جماہیاں لے رہی ہیں کلیاں، صبا کرشمے دکھا رہی ہے
چمن کو خوش لحن طائروں نے بنا دیا درس گاہِ نغمہ
نسیم کم عمر ٹہنیوں کو لپک کے ملنا سکھا رہی ہے
فلک کی دلکش صباحتوں میں ہے نرم کرنوں کا تانا بانا
ہوا میں چہکار گھل رہی ہے گلوں سے مہکار آ رہی ہے
کھلا ہوا ہے قدم قدم پر تجلّیوں کا نگار خانہ
اُٹھی ہے ہنستی ہوئی بشاشت غنودگی دم چرا رہی ہے

جبینِ مشرق سے ڈھل رہی ہے جمی ہوئی رات بھر کی کالک
بصد ادا ہر شعاعِ زرّیں درِ نظر کھٹکھٹا رہی ہے
فلک کے ڈوبے ہوئے ستارے زمیں پہ شبنم بنے ہوئے ہیں
زمیں سے اٹھّی ہوئی حرارت فضا میں بادل بنا رہی ہے

۲

اسی ہجومِ جمال ویو میں کنارِ جُو اک حسین دیوی
سحر کی خاموش ساعتوں کو کلام کرنا سکھا رہی ہے
لجاجتوں میں شباب ادراک کے سفینے کو کھے رہا ہے
خنک ہوا سے شگفتگی سی سیاہ پلکوں میں آ رہی ہے
مچل رہا ہے لبوں میں جادو بسی ہوئی ہے نفس میں خوشبو
حسین باہوں کی جاذبیّت دلوں کو کافر بنا رہی ہے

صبیح چہرہ، کشیدہ ابرو، جبیں کشادہ، دراز گیسو

حیا کی تصویر بن رہی ہے، قضا کے نقشے بنا رہی ہے

ڈھلک رہا ہے جو نرم آنچل گداز شانے جھلک رہے ہیں

اُٹھی ہوئی ہے جو چشمِ میگوں نقابِ محشر اُٹھا رہی ہے

بھرے ہوئے مرمریں بدن میں حیا کی شمعوں سے ہے اُجالا

سڈول اعضا کی جنبشوں سے نظر میں غنچے کِھلا رہی ہے

حریمِ دل میں یہ کہہ رہا ہے کوئی کہ احسانؔ سجدہ کر لے

یہ کِس کی آواز سُن رہا ہوں، یہ کِس کی آواز آ رہی ہے؟

قصیدہ گو سے

تہی ظرفی کا کیوں اعلان کرتا ہے زمانے میں
جو شاعر ہے وہ کر سکتا نہیں جھوٹی ثنا خوانی
قصیدہ سُن کے دادِ شعر دینا اس سے بڑھکر ہے
کُہ تنگ بندی ہیں ہو سکتی نہیں ترغیبِ روحانی
قصیدہ گو کا درجہ اک گداگر سے بھی کمتر ہے
کہ اس ظلمت میں دب جاتی ہے سیرت کی درخشانی
گدائی پر اُتر آیا تو اُس در کی گدائی کر
ہے مالامال جس کی بھیک سے دامانِ سُلطانی

جلوس

گشت میں ہے کانگریسیوں کا جلوسِ مختصر
لب پہ افسردہ ترانہ سوگ میں ڈوبی نظر

آگے آگے پرچم سہ رنگ لہراتا ہوا
لیڈروں کے قول کے مانند بل کھاتا ہوا

ناتواں رو، حیص مآل اندیشیوں سے بے نیاز
پا برہنہ، گرد آلودہ بھویں، ناخن دراز

پچکے پچکے دست و پا رُخ پر فلاکت کا غبار
ملگجی آنکھوں سے فاقوں کی ندامت آشکار

عمر سے پہلے فلاکت نے کمر خم کی ہوئی
شعلۂ آہ و فغاں سے شامِ غم چمکی ہوئی

ہر قدم پر ٹوٹی پھوٹی بیڑیاں پیتے ہوئے
مُردہ دل کی کھوکھلی امیّد پر جیتے ہوئے

جسم تھرّائے ہوئے، آواز بھرّائی ہوئی
دل کی اُلجھن مضمحل آواز میں آئی ہوئی

بعض کی آنکھوں میں آنسو بعض کی باچھوں میں کف
جا رہے ہیں مال کے پُر نور بنگلوں کی طرف

ان سے یہ کہدو یہ ہیں جن سربلندوں کے مکاں
ان کو فریادوں کے سننے کی بھلا فرصت کہاں

سائے ہیں سنگین دیواروں کے فریادیں عبث
وہم کی خاکوں پہ مستقبل کی بنیادیں عبث

بے محل ہے وقت، یہ ذی روح تقریریں فضول
جن کی بنیادیں ہوا پر ہوں وہ تعمیریں فضول

موسوی لطف و عطا ممکن نہیں شداد میں
لوچ ہرگز آ نہیں سکتا دل فولاد میں

دھات کے تودوں میں تقریریں سمائیں کس طرح؟
تشنہ لب کو یہ بجلیاں پانی پلائیں کس طرح

یہ مکاں آہ و فغاں کو جذب کر سکتے نہیں
نالے شیشوں کے دریچوں سے گذر سکتے نہیں

فطرتِ زردار میں لطف و عطا شامل کہاں؟
پیچ و خم کھائی ہوئی گلیوں میں اہلِ دل کہاں؟

ان کو کیا معلوم ہو اوروں کے دل کی واردات
سانس لیتی ہیں جو رکھکر سینۂ غمگیں پہ ہات

ان کو کیا تقدیر کے ہارے اگر ناشاد ہیں
ان کو کیا افلاس کے مارے اگر برباد ہیں

ظلم کی کھیتی کہیں بنتی ہے گلزارِ خلیل؟
کب اثر کرتی ہے ان گندے پرندوں پہ زفیل

اہلِ نخوت کو کسانوں کی زبوں حالی سے کام؟
آسماں جاہوں کو مزدوروں کی پامالی سے کام؟

تم ہو ان غمگیں فضاؤں کو جگانے کے لیئے
ٹمٹماتے ہیں جہاں راتوں کو مٹی کے دیئے

ان کو چونکاؤ جو سر سے پاؤں تک فریاد ہیں
چھپّروں میں حاشیہ پر گاؤں کے آباد ہیں

بیکسی جن کیلئے پیغام حرماں لائی ہے
جن کی دیواریں شکستہ ہیں گھڑوں پر کائی ہے

جانتے ہیں جن کو مُنعم زندگی کا بارِ دوش
زندگی کی شمع جن کے گھر میں ہے بالکل خموش

جن کے بچوں کو نہیں کپڑا پہننے کیلئے
سو رہے ہیں جن کے دل میں زخم خوردہ ولولے

زمزمے جن کے تڑپتے ہیں الم کے ساز پر
رحمتیں مائل ہیں جن کے ماتمی انداز پر

بنتے ہیں جن کی کمائی سے امیروں کے محل
جن کا حصّہ ہے خدائی میں فقط بیل اور ہل

جسم ہو جاتے ہیں جن کے محنتوں سے چور چور
جن کی ہل سے ٹوٹ جاتا ہے زمینوں کا غرور

آکے ساہوکار جن کا دانہ دانہ لوٹ لے
اور جو باقی رہے وہ مالکانہ لوٹ لے

ڈاکٹر ہوتے ہیں جن کی زحمتوں سے بہرہ مند
سادگی پر جن کی اُڑتے ہیں وکیلوں کے سمند

جن کی محنت نے شبستانوں کو بخشی ہے نمو
گشت کرتا ہے رگِ گلزار میں جن کا لہو

یہ اگر چاہیں تو بدلے قسمتِ ہندوستاں
ورنہ آزادی خیالِ خام آزادی کہاں؟

لیکے اُٹھیں گے یہی اک روز شمشیر و عَلَم
ہے انھیں کے خون کی ممنون محرابِ حرم

یہ بدل دیتے ہیں فطرت گردشِ ایام کی
دل ملا ان کو فرشتوں کا نظر ضرغام کی

ان کے سینوں میں زمیں کے کروٹوں کے راز ہیں
ان کی آہوں پہ ملائک گوش بر آواز ہیں

ان کی فریادوں کی شمشیریں اگر ہوں بے نیام
دم زدن میں ٹوٹ سکتا ہے طلسمِ انتظام

کیوں کمر بستہ ہو سعئ ناروا کے واسطے
ان اسرزادوں کو چونکاؤ خدا کے واسطے

مشعلِ تعلیم سے بزمِ نظر روشن کرو
جہل کی ظلمت میں فانوسِ ہنر روشن کرو

علم عظمت کا سبب ہے ہوش والوں کے لئے
ہوش والوں کیلئے روشن خیالوں کے لئے

نظارۂ عبرت

صبحدم کل جانبِ وادی ہوا میرا گذر
ایک چلتی نعش ساحل پر مجھے آئی نظر

چشمِ عبرت کھل گئی غفلت کو ہوش آنے لگا
سازِ دل پر موت کا نغمہ کوئی گانے لگا

بولی عبرت آرزو میں کس لئے بیتاب ہیں
خواب ہیں یہ بولتے چلتے مناظر خواب ہیں

زندگی اک ساز سے نکلی ہوئی آواز ہے
صید پر چھوٹے ہوئے شاہین کی پرواز ہے

فرصتِ ہستی ہی کیا اے بزمِ عشرت کے زعیم
جیسے لہرا کر گذر جائے گلستاں سے نسیم

ہو نہ سرگرمِ نوا اے دامِ دنیا کے شکار
ہے یہ پیغامِ خزاں سمجھا ہے تو جس کو بہار

تابکے شفاف پیشانی کی یہ تابندگی
ڈوبتے سورج کی رنگیں روشنی ہے زندگی

ہوشیار! اے جانثارِ بزمِ فانی ہوشیار
بادلوں کے چلتے پھرتے سائے کا کیا اعتبار

قافلہ ہستی کا دم بھر میں گذر جانے کو ہے
چڑھ کے یہ سیماب کا دریا اُتر جانے کو ہے

زندگی پر ناز کرتا ہے خطا کھاتا ہے تو
خواب کے منظر پہ اے نادان اتراتا ہی تو

باغ امکاں میں کہاں رنگِ تفافانی ہے یہ!!
ہم تو سب موجیں ہیں اور بہتا ہوا پانی ہے یہ!!

ایک پڑھے لکھے متشاعر سے

بے رُوح مہارت کی شاہد ہیں تری نظمیں!
مشرب ترا عیّاری ایماں ترا لغزیدہ،
ہے مدّ نظر تجھکو خود بینی و خود کامی
شاعر کی خصوصیّت معصوم و جہاندیدہ!

مزدور کی بیوہ

رات آدھی آچکی سارا جہاں خاموش ہے
ہر بلند و پست تاریکی سے ہم آغوش ہے
سر جھکائے فکر میں بیٹھی ہے اک عورت نڈھال
جس کے شوہر کا ہوا ہے شام ہی کو انتقال
اوڑھ کر کمبل اندھیرے کا کھڑے ہیں بام و در
جیسے قسمت میں نہیں اس رات کی نورِ سحر
بھونک پڑتا ہے کوئی کتا جو گھر سے متصل
اس پریشاں حال بیوہ کا دہل جاتا ہے دل

لے رہا ہے سسکیاں اک ٹمٹماتا سا چراغ
جس سے جگمگ کر رہے ہیں سینۂ سوزاں کے داغ
پاس تھا زیور جو پیتل کے چھڑے چاندی کا ہار
کر چکی ہے سب کا سب تکفین شوہر پر نثار
سوچتی ہے کس سے مانگوں گی ہے کس کا آسرا
بیوگی کی رسم آخر کس طرح ہو گی ادا؟
ایک بچّی عمر جس کی ہے بمشکل پانچ سال
اپنی دُکھیا ماں سے رو رو کر یہ کرتی ہے سوال
تم نے ابّا کو کہاں بھیجا ہے آئے کیوں نہیں
چیز[1] لانے کیلئے کہتے تھے لائے کیوں نہیں
اچھی امّی آؤ میں آواز دوں دہلیز سے
"آؤ ابّا آؤ" باز آئی میں ایسی چیز سے

[1] اکثر بچے مٹھائی کو چیز کہتے ہیں!

رات ہے ایسی بھیانک کچھ نظر آتا نہیں
دل دہلتا ہے یہاں تنہا رہا جاتا نہیں"

سُنتی ہے بیوہ جونہی بچّی کا بیانِ دل فگار
مُضمحل آنکھوں سے چل پڑتی ہے اشکوں کی قطار

پھیر کر مُنہ، پونچھ کر آنسو، طبیعت روک کر،
کہتی ہے قربان ماں کی جان اے نورِ نظر!

رات آدھی آچکی سو جا عبث ہلکان ہے
تیرا ابّا آج اہلِ خلد کا مہمان ہے

صبح کو جس وقت سُورج روشنی برسائے گا
لیکے جنّت سے کھلونے مُسکراتا آئے گا

حادثہ یہ اور ہیں ہمسایوں کے دل آسودہ تر
اس طرف سے اُس طرف تک سو رہے ہیں بے خبر

بے ثباتی پر ہیں غافل کس قدر بھولے ہوئے
زندگی کے کیف میں ہیں موت کو بھولے ہوئے
یہ یقیں ان کو نہیں یہ میکدہ یہ دورِ جام
یہ مسرّت کا سراچہ، یہ تبسّم کا مقام
اک طلسمِ بے بقا ہے، سیمیا ہے، خواب ہے
ورنہ بربط ہے نہ مطرب ہے، نہ یہ مضراب ہے
کشتیاں ہستی کی جب گھاٹ آئیگا رک جائیں گی
گردنیں شاخِ شکستہ کی طرح جھک جائیں گی
یک بیک جھنجھلا کے جب شانہ جھنجوڑے گی اَجَل
ناک رگڑیں گے منارے خاک چاٹیں گے محل
دولت وجاہ وحشم کا رنگ فق ہو جائے گا!
قوّت ومردانگی کا قلب شق ہو جائے گا!

مکتب کا بچہ

مشرق کی وادیوں سے سُورج اُبھر رہا ہے
ہر ذرّہ زمیں کا چہرہ نکھر رہا ہے
ہنسکر دکھا رہے ہیں فردوس کے نظارے
گلرنگ بدلیوں کے چمکے ہوئے کنارے
گردن ہلاتی بھینسیں جنگل کو جا رہی ہیں،
باڑوں میں سر جھکائے بھیڑیں ممارہی ہیں
ناقوس کی صدائیں خاموش ہو چکی ہیں
تاریکیاں سمٹ کر روپوش ہو چکی ہیں

اس وقت ایک بچّہ مکتب کو جا رہا ہے
جاتا ہے کیا مچل کر اک حشر ڈھا رہا ہے
گھٹنے زمیں پہ ٹیکے نیچے جھکا ہوا ہے
مجمع ہے رہرووں کا رستہ رُکا ہوا ہے
پکڑے ہوئے ہیں اس کو ہم عمر و ہم جماعت
دو چار اور بھی ہیں کم عمر و ہم جماعت
ہوتے نہیں ہیں اس سے دم بھر کو دُور بچّے
آنکھوں کا نور بچّے، دل کا سُرور بچّے
وہ سامنے ہے مکتب لو اس کا حال دیکھا؛
کان اس کے ہو گئے ہیں کھنچ کھنچ کے لال دیکھا؛
اُستاد گاہے گاہے قمچی جو مارتا ہے
بیچارہ مُنہ بنا کر ماں کو پکارتا ہے

اشکوں کو پونچھتا ہے کُرتے کی آستیں سے
مٹی لگی ہوئی ہے روندی ہوئی زمیں سے

آیا ہوا ہے غصّہ ہر ایک ہم سبق پر
آنسو چھپے ہوئے ہیں رخسار کے ورق پر

تعلیم کا یہ کوئی موزوں نہیں طریقہ
بچّوں کو اس طرح سے آتا نہیں سلیقہ

ہنستی نہیں ہیں کلیاں چٹکی سے پھُول ہو کر
ہوتی نہیں شگفتہ فطرت ملُول ہو کر

کیا بوئے گل قفس میں محبُوس ہو سکے گی؟
کیا دھوپ رنگ گُل کو تابش سے کھو سکے گی؟

کیا چاندنی کو سردی چاندی بنا سکے گی؟
کیا کہکشاں کو قمچی نیچے جھکا سکے گی؟

شبنم کو آنچ دینا فرزانگی نہیں ہے!
یہ ہے اگر، تو پھر کیا، دیوانگی نہیں ہے؟
لازم نہیں ہے ہرگز فطرت سے جنگ کرنا
بچّوں سے تنگ ہونا بچّوں کو تنگ کرنا
آئینِ سادگی سے تنظیم لازمی ہے
فطرت سے ملتی جلتی تعلیم لازمی ہے
سختی کی تاب لائیں کیا ننھّی ننھّی جانیں!
ہے بات جب کہ بچے پڑھنے کو کھیل جانیں
صحت کو تقویت دیں، اخلاق کو سنواریں
خدمت کو فرض سمجھیں، تہذیب کو اُبھاریں
روشن ہو طاق دل میں فانوسِ ارجمندی
ٹھہرا کے بیٹھ جائے تعمیرِ خود پسندی

سینوں میں موجزن ہوں جذباتِ خسروانہ
ہمدردیوں سے سیکھے ہمدردیاں زمانہ
عزمِ عروج جاگے، غفلت کو نیند آئے
ہنسی ہوئی جبیں پر، تنویر جگمگائے
تعلیم وہ ہے جس سے سینے میں روشنی ہو
حق گوئی سے ہو رغبت، باطل سے دشمنی ہو
خودداریوں سے بچے سینوں کو جگمگائیں
امداد باہمی کا سب کو سبق پڑھائیں
مکتب ہے ایک گلشن اُستاد اس کا مالی
مرغوب پتّا پتّا، محبوب ڈالی ڈالی
کلیاں جہاں نہ چٹکیں وہ گلستاں نہیں ہے
کاٹے جو بیل بوٹے وہ باغباں نہیں ہے

پردہ

یاد ہے دہلی کی وہ اک غم فشاں ضو ریز شام
نور و ظلمت کر رہے تھے مل کے شب کا اہتمام
تیرگی کے روبرو تنویر تھی محوِ نیاز
راستوں میں تار کے کھمبوں کے سائے تھے دراز
تھا فضاؤں میں معلّق کارخانوں کا دھواں
جا رہے تھے گھر کو مزدوروں کے دھندلے کارواں
ہو چکا تھا سرخرو مشرق شفق تھی لالہ کار
چل رہی تھی نرم قدموں سے ہوائے کیف بار

رہروؤں کے غُل سے تھا قلبِ فضا زیر و زبر
لاریوں سے خم ہوئی جاتی تھی سڑکوں کی کمر
سیر کرنے کیلئے میں اور مرے اک مہرباں
شہر کی جانب سے سوئے رائے سینا تھے رواں
بحث تھی دونوں میں لیکن قلب تھے دونوں کے صاف
وہ تو تھے پردے کے حامی میں تھا پردے کے خلاف
کہہ رہا تھا میں تغیّر ہے فروغِ کائنات
اس کی ہر کروٹ سے پاتا ہے نمو رنگِ حیات
بحر و بر میں جنبشِ موج ہوا سے انقلاب
صحنِ گلشن میں عنادل کی نوا سے انقلاب
راہبر بدلے نظامِ کارواں بدلا کئے
آئے دن رنگِ زمین و آسماں بدلا کئے

لیکن اب تک ہے مسلمانوں میں پردے کا رواج
ان کے فرسودہ تمدّن کا نہیں بدلا مزاج
یہ پرانی رسمِ روپوشی نہیں بدلی گئی
بیخودوں سے خود فراموشی نہیں بدلی گئی
ہموطن اقوام کی جو عورتیں ہیں بے نقاب
کیا گہن میں آگیا عظمت کا اُن کی آفتاب؟
اُن کا کیا ایماں نہیں، عزّت نہیں، عصمت نہیں؟
شرم آنکھوں میں نہیں، یا قلب میں غیرت نہیں؟
کیا انھیں اللہ نے بخشا نہیں رنگ و جمال؟
کیا اثر رکھتا نہیں اُن کا فسونِ خد و خال؟
کیا کوئی فطرت میں اُنکی دلنشیں پہلو نہیں؟
لوچ اعضا میں نہیں گفتار میں جادو نہیں؟

کیا نہیں اُن کے دلوں میں عظمتِ اُلفت کا راز
کیا نہیں اُن کے تنفس میں شمیمِ دلنواز

فرق آپس میں نہیں اس کے سوا کچھ زینہار
ہم تمدّن کے پیادے، وہ تمدّن کے سوار

پیچھے پیچھے ایک عورت مضمحل رفتار سے
آرہی تھی غالباً سودا لئے بازار سے،

وہ عفیفہ سُن کے میری گفتگو گویا ہوئی،
بے حمیّت تیری مردانہ حمیّت کیا ہوئی؟

آہ شاید اے حریمِ راز سے نا آشنا!
تو ہے آوازِ شکستِ ساز سے نا آشنا!

شان و شوکت کو بڑھانے کے لئے پردہ نہیں
رنگ و روغن کو چھپانے کے لئے پردہ نہیں

اس کا پردہ ہے کہ ہم گردابِ ناداری میں ہیں
زندگی سے تنگ ہیں مٹنے کی تیاری میں ہیں

اس کا پردہ ہے کہ جینا موت سے دشوار ہے
سانس کا ڈورا نہیں چلتی ہوئی تلوار ہے

اس کا پردہ ہے کہ سینے درد سے معمور ہیں
اشکبار آنکھیں ہماری قلب کے ناسور ہیں

اس کا پردہ ہے کہ ہم اپنی نظر پہ بار ہیں
پپڑیاں ہونٹوں پہ مُرجھائے ہوئے رُخسار ہیں

اس کا پردہ ہے کہ چہرے ہیں الم کے اشتہار
رُوح پراندوہ، دل بریاں، کلیجے داغدار

اس کا پردہ ہے کہ دل کا حال پیشانی پہ ہے
نکتہ چیں غیرت ہماری خستہ سامانی پہ ہے

اس کا پردہ ہے کہ سر پر چادریں ہیں تار تار
پیرہن ہیں جا بجا پیوند ہیں اور بیشمار
اس کا پردہ ہے سراسر غم کی تصویریں ہیں ہم
ہند کے خوابِ چمن بندی کی تعبیریں ہیں ہم
گفتگو سے بیشتر کچھ غور ہونا چاہیئے
ہم پہ جو ہنستے ہیں پہلے اُن کو رونا چاہیئے
یہ نقابیں اُٹھ نہیں سکتیں زمانے کے لئے
دن معیّن ہے خدا کو مُنہ دکھانے کے لئے
تیری کج بحثی ہماری بے بسی پر چوٹ ہے!
آہ یہ پردہ نہیں ہے مُفلسی کی اوٹ ہے!
سُن کے اس کی گفتگو احسانؔ میں تھرّا گیا
آنکھ بھر آئی ندامت سے پسینہ آ گیا

مایوسی

ریا کی غمگساری ہے، غرض کی آشنائی ہے
بہ ظاہر جاںنثاری ہے بہ باطن بے وفائی ہے
ملے قیمت تو بک جاتے ہیں مذہب ہو کہ خودداری
طمع کی فداکاری ہے، جھوٹی پارسائی ہے
خلوص اب تیرے بندوں میں کہیں ڈھونڈا نہیں ملتا
دہائی ہے خدا کے دو جہاں تیری دہائی ہے

حُورِ بیاباں

اے ہمنشیں سناؤں تجھے کیا کہ رات بھر
آتے رہے وہ یاد سلگتا رہا جگر

سرکی ہی تھی عروسِ شبِ تار کی نقاب
جھلکا اُفق پہ پرتوِ قندیلِ آفتاب

میں اُٹھ کے گھر سے جانبِ صحرا ہوا رواں
ترتیب دے رہا تھا صباحت کو آسماں

مغرب کی وادیوں میں قمر تھا جھکا ہوا
لہرا رہا تھا رات کا دربار رُکا ہوا

جھپکا رہا تھا چشمِ ضیاریز و دلنشیں
گردوں پہ کوئی کوئی ستارا کہیں کہیں

سنولا رہے تھے رات کے تاریک بام و در
شب زاد ظلمتوں میں ضیا کار تھی سحر

چونکا رہے تھے رُوح کو جھونکے نسیم کے
چشمے اُبل رہے تھے فضا میں شمیم کے

پھولوں میں آن بان تھی کانٹوں میں شان تھی
نورستہ کونپلوں کی لکیروں میں جان تھی

موتی ٹکے ہوئے تھے گلوں کے لباس پر اُتری ہوئی تھی اوس فضاؤں سے گھاس پر
حُسنِ خیال فکرِ دو عالم سے دُور تھا آنکھوں میں نور، دل کی رگوں میں سُرور تھا
ذرّے تھے غرق جلوۂ عالم پناہ میں سجدے مچل رہے تھے جبینِ نگاہ میں

رستے کے پاس نہر کے پُل سے ذرا پرے
اک نازنیں کھڑی تھی کنارے پہ کھیت کے

آئینۂ جبیں کا تجلّائے برق رُو خورشید کی شریر شعاعوں سے دو بدو
روئے حسیں پہ موجِ تبسّم ضیا فشاں سوزِ نظر میں جذبۂ عفّت رواں دواں
بھیگی زمیں پہ دیدۂ میگوں جھکے ہوئے سیّال میکدے سرِ صحرا رُکے ہوئے
خاموشیوں کی مُہر لبِ قیل و قال پر آمادہ ہر نگاہ جوابِ سوال پر
ایمن میں برقِ طور کو فکرِ کلیم تھا صحرا میں انضباطِ نسیم و شمیم تھا

اُٹھّی مری طرف جو وہ کھوئی ہوئی نظر
جھجکی جھجک کے خوف سے دیکھا اِدھر اُدھر

رخصت ہوئی نظر میں طرارے لئے ہوئے
پلکوں میں بیقرار ستارے لئے ہوئے

بجلی تڑپ گئی دلِ حیرت اساس میں
بھر آئے اشک دیدۂ رقّت شناس میں

آنکھوں میں چیستانِ زمانہ کا باب تھا
بیداریوں میں حورِ بیاباں کا خواب تھا

مغالطہ

میں پہلے یہ سمجھا تھا وفا جس میں نہیں ہے
اُس شخص کا ایمان کبھی ہو نہیں سکتا
اک دوست کے کھُلنے سے کھلا راز یہ لیکن
انسان کا انسان کبھی ہو نہیں سکتا

تین ہندوستانی

ہمنشیں اک رات جب تاریکیوں پر تھا شباب
اُٹھ رہی تھی رفتہ رفتہ روئے ہستی سے نقاب
چاند کی مشعل ابھی روشن نہ تھی افلاک پر
شب کے تاروں کی نگاہیں جم رہی تھیں خاک پر
ہر زباں خاموش، ہر لب بے نیازِ گفتگو
پی چکے تھے شب کے سنّاٹے ترانوں کا لہُو
شادو فرحاں اپنے ایوانوں میں تھے سرمایہ دار
جھونپڑوں میں دم بخود تھے مردمانِ سوگوار

قمقمے بجلی کے روشن تھے سڑک پر دُور دُور
موجزن تھا خلق کے روندے ہوئے رستوں میں نور

اب نہ بازاروں میں تھا دن کی طرح شور و ہجوم
آئی تھی شب لیکے گونگی تیرگی بہرے نجوم

محوِ خوابِ ناز تھا جاگیرداروں کا غرور
اب نہ آتی تھی غلاموں کی صدائے "جی حضور"

مسجدیں خالی تھیں وقت نیم شب نزدیک تھا
حاشیہ گلیوں کا چھجّوں کے تلے تاریک تھا

میں تھکا ہارا مگر مسرور اپنے حال میں
اک طرف آرام سے لیٹا ہوا تھا ٹال میں

میرا قلبِ پُرسکوں ہر رنج و غم سے دُور تھا
مطمئن تھا، شاد تھا، بشّاش تھا، مسرور تھا

ہر نفس اک زمزمہ تھا، دل کی دھڑکن ساز تھی
کہکشاں اس ارغنوں پر گوش برآواز تھی

دیکھتا کیا ہوں کہ معمولی سے اک ہوٹل کے پاس
تنگ کوچے میں جہاں تاریکیاں بھی تھیں اُداس
تین انساں، ایک بچہ، ایک بوڑھا، اک جواں
ہم نصیب و ہم خیال و ہم لباس و ہم زباں
خشک لب، ویران آنکھیں، پیکرِ سوز و گداز
تمکنت کے گھاٹ سے اُترا ہوا ذوقِ نیاز
زندگی آلامِ روز و شب سے گھبرائی ہوئی،
بحرِ غم میں سرخوشی کی ناؤ چکرائی ہوئی،
فرطِ ناکامی سے تدبیروں کا ڈھیلا بند بند
نا اُمیدی کے دھوئیں سے ولولوں کی سانس بند

ہو رہی تھی اُن کی فطرت اُس مرض سے دو بدو
خشک کر دیتا ہے جو نبضِ تمنّا کا لہو،
پھر گئی تھی اُن کو قسمت ان بنوں میں چھوڑ کر
بیٹھ جاتی ہے شرافت جس جگہ دم توڑ کر
مفلسی کی اُن چٹانوں سے تھا ان کا سامنا
جن سے ہو جاتا ہے مشکل آبرو کا تھامنا
ہستیاں تھیں اُن کی یا کونین کے سینے کا درد
موت کے لب کا تبسّم، زندگی کی آہ سرد
آئے اور دم لیکے بوڑھے نے کہا بچّے سے یوں
دیکھو بیٹا بھوک سے ہم سب کی حالت ہے زبوں
بک چکے سب سوٹ بھائی کے رہا کچھ بھی نہیں
گھر میں اک بی۔اے کی ڈگری کے سوا کچھ بھی نہیں

میری شادی کی تھی جو دستار پرِ زر بک چکی
تیری بہنوں کے دوشالے ماں کی چادر بک چکی

جیب میں اب تین پیسے ہیں یہی لے جاؤ تم
نانبائی کی دکاں سے روٹیاں لے آؤ تم
اپنی قسمت میں عطائے ایزدی شامل نہیں
ہوٹلوں میں بیٹھکر کھانے کے ہم قابل نہیں
روشناس اپنا جو کوئی اس جگہ پائیں گے ہم
ہم کو روٹی کھائیگی، روٹی نہیں کھائینگے ہم
دیکھ کر چہروں کی زردی بھانپ کر بشروں کا سوگ
مسکرائیں گے ملازم قہقہے ماریں گے لوگ
نیند علطیدہ ہے تیرے دیدۂ بیدار میں
باپ قرباں آگئی زردی گلِ رخسار میں

کیا خبر تھی اس طرح ہوگا کلیجا پاش پاش
یوں پڑے گی غم سے میرے لال کے دل میں خراش

طفلِ کمسن سُن کے مفلس باپ کی بے مائیگی
اس قدر رویا کہ روتے روتے ہچکی بندھ گئی

بھائی نے سینے سے چھوٹے بھائی کو جھپٹا لیا
اور ستاروں کی طرف آنکھیں اُٹھا کر یہ کہا

اے خدا! ہم تو گنہگاروں کی صف میں ہیں مگر
یہ تو ہے معصوم اس کی بے بسی پر رحم کر!

بے خطا غم کھا رہا ہے ہم خطا واروں کے ساتھ
اک کلی کانٹوں میں کھنچتی ہے گنہگاروں کے ساتھ

رو کے بچّہ جانب ہوٹل چلا باچشمِ تر
ڈالتا مُڑ مُڑ کے بوڑھے باپ کے رُخ پر نظر

روٹیاں تین آئیں اور تینوں کو اک اک مل گئی
زندگی کے خشک کانٹوں میں کلی سی کھل گئی
چل دیئے سانسوں سے کشتی درد کی کھیتے ہوئے
فکرِ فردا سے دلِ محزوں کو غم دیتے ہوئے

ہوشیار اے ناخدایانِ تمدن ہوشیار
یہ شریفوں کا ہے اس ہندوستاں میں حالِ زار
یہ پڑھے لکھوں کی درگت، یہ نجیبوں کو ملال
یہ وفاؤں کا نتیجہ، یہ غلامی کا مآل،
ملک والے یوں ہوں اپنے ملک میں روٹی سے تنگ
یہ نہ ہو چھڑ جائے زرداروں میں اور بھوکوں میں جنگ
برق کی ایجاد روشن پر کسی کو ناز ہے،
اور کسی کے غور کا پھل آلۂ آواز ہے

نازکرتا ہے مشینوں کے بنانے پر کوئی
اور غباروں میں کمال اپنا دکھانے پر کوئی

کوئی ہے موٹر کا موجد اور کوئی تصویر کا
اور کسی کے سر ہے سہرا آلۂ تحریر کا

جس طرف دیکھو جہانِ علم و فن آباد ہے
کس قدر جدّت نما ہنگامۂ ایجاد ہے

اہلِ علم، اہلِ ہنر کا یہ بڑا احسان ہے
لیکن اس تنویر میں ظلمت خدا کی شان ہے

حیف ہے جو لے رہے ہوں کوہساروں سے خراج
مُلک کی بیروزگاری کا نہ ہو اُن سے علاج

مزدور عورت

ڈھل گیا دن ہلکا ہلکا ابر ہے چھایا ہُوا،
منظرِ عالم نظر آتا ہے مُرجھایا ہوا،
دھو دیا ہے گرچہ بوندوں نے خلاؤں کا غبار
پھر بھی ہے اس ملگجے بادل سے عالم سوگوار
اُٹھ نہیں سکتی نقاہت سے کسی کوچے میں گرد
آدمی تو آدمی سورج کا چہرہ بھی ہے زرد
ہر طرف ہے اک سکوت آمیز غم چھایا ہُوا
مل رہی ہے رُوح کو اپنے گناہوں کی سزا

نبض میں موسم کی ٹھنڈا ہو گیا خونِ طرب
کھردرے ہیں کائی کے پپڑی سے پرنالوں کے لب
جم رہی ہے پختہ دیواروں کے رخنوں میں جو گھاس
اور بھی ہے اس کے مرجھانے سے آبادی اداس
یہ سماں اور اس میں اک دوشیزہ گھبرائی ہوئی
فکر کی کھوئی ہوئی افلاس کی کھائی ہوئی
غم کے گہوارے ہیں دل کی حسرتیں پالے ہوئے
لے رہی ہے دم زمیں پر ٹوکری ڈالے ہوئے
دلبری کی بزم سے رعنائیوں کا چل چلاؤ
لوحِ پیشانی سے ظاہر خاندانی رکھ رکھاؤ
محنتِ پیہم سے گرد آلود روئے تابدار
مفلسی کی راکھ میں پنہاں جوانی کے شرار

مضمحل اعضا سے کم یابیٔ غذا کی شکار
تیل سے چکٹے ہوئے سر پر دوپٹہ تار تار
پونچھ لیتی ہے جو انگلی سے عرق رخسار کا
جاگ اٹھتا ہے شبابِ سرد اس نادار کا
پیشوایانِ تمدن کیوں نہیں دیتے جواب
کس لئے پامال ہے اس رشکِ مریم کا شباب؟
کیوں اُسے فطرت نے اس ماحول میں رسوا کیا
عالمِ ارواح میں تھی کون سی ان کی خطا؟
ایک وہ عورت ہے شوہر جس کا ہے سرمایہ دار
ہاتھ میں کنگن، لبوں پر سُرخیاں گردن میں ہار
ایک وہ ہے جو بہت مسرور ہے دل شاد ہے
ایک یہ ہے جو سراپا درد ہے فریاد ہے

اک وہ عورت ہے جسے سیجوں پہ سونا ہے نصیب
اک یہ عورت ہے جسے راتوں کو رونا ہے نصیب

ہیں مگر اس راز سے نبّاضِ فطرت آشنا
دل دیا ہے جن کو خالق نے مشیّت آشنا
جن کی آنکھوں سے ٹپکتا ہے گدازِ احساس کل
جانتے ہیں فلسفہ جو دولت و افلاس کا
شورشِ طوفاں میں جو رہتے ہیں غم سے دوبدو
خشک کر دیتے ہیں جو اوہامِ باطل کا لہو
شعبدہ بارِ تفکّر کو اٹھا سکتا نہیں!
جہل ادراک و نظر کی تاب لا سکتا نہیں!!

گوالے

سامنے مُسکرا رہی ہے سحر
اوس کی آفتاب پر ہے نظر

دھوپ کی چھوٹ ہے پزاوے پر
گا رہے ہیں کمُھار آوے پر

سوئے مغرب جو چُنگی خانہ ہے
منظرِ گردشِ زمانہ ہے

ایک جمگھٹ سا ہے گوالوں کا
گائے بکری کے دُودھ والوں کا

رُخ پہ اک انہماک کی اُلجھن
اور سروں پر ہیں دودھ کے برتن

تیز سانسوں میں سوزِ مجبوری
گرم ماتھوں پہ گردِ مزدوری

دھوتیاں میلی خستہ دستاریں
دلکشی کی مُڑی ہوئی دھاریں

خاک سے ہیں اَٹے ہوئے کپڑے
ڈاڑھیوں میں لگے ہوئے تنکے

خوابِ قارونیت کی تعبیریں
سر بسر مفلسی کی تصویریں

ان میں کچھ عورتیں بھی ہیں جن کی — بھوک سے ہیں سُتے ہوئے چہرے
رُخ پہ بیماری شباب کا رنگ — دیدۂ پاک میں حجاب کا رنگ
باغ ویران شادمانی کے، — پھول تو نُسے ہوئے جوانی کے
غمزہ ہے دم بخود، ادا خاموش — ناز مجروح، بانکپن بیہوش

باری باری سے کر رہے ہیں ادا
ہے جو محصول دودھ لانے کا

جب محرّر کے پاس آتے ہیں — خوف کھاتے ہیں تھرتھراتے ہیں
نطق گر اس جگہ ہو گرمِ سخن — پُرزے ہو جائے صبر کا دامن
کاش اس پائمال طبقے کو — خستہ و پُر ملال طبقے کو
رہنما کوئی ایسا مل جائے — جو انھیں راہِ راست پر لائے

ان کے سینوں میں روشنی کر دے دامن دل مُراد سے بھر دے

دردِ افلاس کا علاج کرے

علم سے صیقلِ مزاج کرے

سزائے ناکامی

اے کارسازِ عشق و تجلّی نوازِ حُسن

کیا طُرفہ فیصلہ یہ ہوا ہے مرے لئے

قسمت میں گر گناہ نہیں ہے تو کس لئے

ناکامی گنہ کی سزا ہے مرے لئے

لالہ و گل

احساسِ مسرّت

خوشا کہ آج نئی شان سے بہار آئی
شباب کی ہے گلستاں میں خندہ فرمائی
کلی کلی سے نمایاں ہے غمزۂ فطرت
ہے ذرہ ذرّہ میں بیتاب شوقِ بینائی
شرابِ خندۂ گُل سے صبا ہی مست نہیں
نشے میں لیتی ہے ہر شاخ سبز انگڑائی

ادا فروش کرشمے دکھا رہی ہے بہار
ضیا فروز تبسّم لُٹا رہی ہے بہار

شرابِ شعر کی منزل میں گامزن ہے شباب
جدید طرزِ ادا سے ضیا فگن ہے شباب
قدم قدم پہ ہجومِ فریبِ نظّارہ
جدھر نگاہ اُٹھے شمعِ انجمن ہے شباب
ہے چشمہ چشمہ تبسّم ہے قطرہ قطرہ گہُر
روش روش ہے جوانی چمن چمن ہے شباب

فضا میں پور دیئے زمزمے ربابوں نے
حجابِ روح اُٹھائے ہیں بے حجابوں نے

اُٹھی ہے دیدہ و دل سے نقاب کیا کہنا　　　ہے شادماں نگہِ کامیاب کیا کہنا
مہک رہی ہے ہواؤں میں روحِ مشک و گلاب　　　مچل رہا ہے فضا میں شباب کیا کہنا
ہر ایک غنچہ نورس ہے نورِ چشمِ بہار　　　ہے ذرّہ ذرّہ دلِ آفتاب کیا کہنا

یہ بزم کاش ہمیشہ یونہی نظر میں رہے
بہارِ باغ کی یہ دلکشی نظر میں رہے

ایک خوش پوش شہری سے

یہ کشتۂ قانون یہ دہقانِ غریب　　　ان سے تجھے نفرت ہے! شرافت معلوم!
ناداں یہ سزاوارِ قدمبوسی ہیں،　　　ان میں ہیں ابھی سیکڑوں روحیں معصوم!

شامِ برشگال

ہوائیں دم بخود ہیں دم گھٹا جاتا ہے سینے میں
مئے جذبات ہے بےرنگ دل کے آبگینے میں

خس و خاشاک ہیں تو سے ہوئے پتّا نہیں ہلتا
گلستانِ تمنّا میں کوئی غنچہ نہیں کھلتا

دلوں کے ولولے مایوس ہیں آغوشِ قسمت میں
اداؤں کے شگوفے خشک ہیں باغِ نزاکت میں

جدھر دیکھو در و دیوار سے آنچیں نکلتی ہیں،
پسینہ بہ رہا ہے ہڈّیاں شاید پگھلتی ہیں

اُداسی کا سماں ہے مرغزاروں گلستانوں میں
چھپے بیٹھے ہیں خوش الحان طائر آشیانوں میں
لپٹ دہکے ہوئے شعلوں کی آتی ہے ہواؤں میں
جہنم جذب ہو کر رہ گئے شاید فضاؤں میں
گھٹا گردوں کی پہنائی میں گھبرائی ہوئی سی ہے
شرابِ سرخ سنجافوں پہ چھلکائی ہوئی سی ہے
نکل کر جیبِ نقابِ ابر سے بجلی چمکتی ہے
جبینوں پر خطِ تقدیر کی سُرخی جھلکتی ہے

خوشگوار لمحے

سنور رہی ہے عروسِ فطرت بہار گُلشن میں آ رہی ہے
نظر اُٹھاتا ہے ذرّہ ذرّہ کلی کلی مُسکرا رہی ہے
جہاں کے پَست و بلند پر ہے شعورِ فطرت کی نقش کاری
دلوں کے تاریک غمکدوں پر نشاط پرچم اُڑا رہی ہے
بھینچی ہوئی دل کی حسرتوں میں ہوا ہے اعلانِ پرفشانی
خرد کے تاریک راہچوں پر شراب مشعل دکھا رہی ہے
چمن چمن میں روش روش پر بہار نے فرشِ گل بچھایا
لچک رہی ہیں ادا سے شاخیں نسیم جھولا جھلا رہی ہے

لرز لرز کر تڑق رہی ہیں جہاں کے حسن نکدوں کی ڈاٹیں
شباب منظوم ہو رہا ہے، حیات ترتیب پا رہی ہے
گلوں کی خوشبو کے دائروں میں ہوا پہ نغموں کے کارواں ہیں
حواس ہیں اُن بلندیوں پر کہ بیخودی مُسکرا رہی ہے
گداز شانوں پہ پڑ رہی ہیں ٹھٹک ٹھٹک کر نحیف باہیں
ہیں حجراتوں کے چراغ روشن، حیا کی لَو تھرتھرا رہی ہے
ہوا کے دھاروں پہ بہہ رہے ہیں جوان نغمات کے سفینے
رباب کی خواب آفرینی فضا میں جادو جگا رہی ہے
تھپک تھپک کر سُلا رہا ہے سکونِ دل اضطرابیوں کو
خیالِ عقبیٰ کی وادیوں میں قضا بھی بنسی بجا رہی ہے

آفتاب تازہ

(ایک جوابی نظم)

پہلی کرن جبینِ اُفق پر ہے آشکار — مشرق کی ظلمتوں کا گریباں ہے تار تار
گلشن میں محوِ ناز ہے رعنائی بہار — غنچوں پہ اک شباب ہے پھولوں پہ اک نکھار
مستی لُٹا رہا ہے چمن جھوم جھوم کر
نظریں اُتر رہی ہیں ستاروں کو چوم کر

جاگی ہے نوجوان بہاروں کی انجمن — بھیگے ہوئے حسین نظاروں کی انجمن
رخصت ہے آسماں سے ستاروں کی انجمن — آزردہ دل ہے نغمہ شعاروں کی انجمن
باسی نجوم تازہ تجلّی میں بہ گئے
انوارِ بے ثبات پہ شرما کے رہ گئے

تابندہ ہیں دماغ دلوں میں ہے موجِ نور
روشن خیالیوں سے طبیعت کو ہے سرور
ذوقِ طلب کو شمع دکھانے لگا شعور
بیداریوں سے خواب کے شیشے ہیں چور چور

افسردگی سے موجِ تبسّم رواں ہوئی
خاموشیوں سے جوئے تکلّم رواں ہوئی

مہکی ہوئی فضا ہے چمن لالہ فام ہے
تعمیرِ زندگی کا نیا اہتمام ہے
سورج کی جو کرن ہے سنہری پیام ہے
دورِ عمل ہے کارِ مغنّی تمام ہے

محفل میں شمعِ تازہ جلاتا نہیں کوئی
پروانہ بن کے جان گنواتا نہیں کوئی

ذرّے نئے، زمیں نئی، آسماں نیا
نکہت نئی، بہار نئی، گلستاں نیا
جلوے نئے، کلیم نئے، امتحاں نیا
بزمِ جہاں نئی ہے نظامِ جہاں نیا

گونگی فضا میں بولتے انوار بڑھ گئے
سائے سمٹ کے درختوں پہ چڑھ گئے

سیلاب وقت چال قیامت کی چل گیا — ٹھنڈی ہوا کے ساتھ زمانہ بدل گیا
شب کا دلِ سیاہ یہاں تک پگھل گیا — عالم تمام نور کے سانچے میں ڈھل گیا

ہر شاخ گنگنائی چمن بولنے لگے
تیتّے ہوائیں لگتے ہی پر تولنے لگے

شب کے سرود گنگ ہوئے روشنی بڑھی — جاگے طیور نغمہ سرا نغمگی بڑھی
افسردگی کا رنگ کٹا دلکشی بڑھی — رفتارِ نبض تیز ہوئی زندگی بڑھی

طاؤس گم ہیں شعلہ نوا ساز آ گئے
ذرّوں میں آفتاب کے انداز آ گئے

باغوں میں عندلیب غزلخواں کا دور ہے — پھولوں میں جوشِ فصلِ بہاراں کا دور ہے
آنکھوں میں جلوہ ہائے فروزاں کا دور ہے — جلوؤں میں بیحجابیٔ یزداں کا دور ہے

جام و سبو نگوں ہیں خرابات بند ہیں
سینوں میں بیقرار دل دردمند ہیں

اے مطربانِ پست نوا! دیکھنا خموش! خاموش! اب پست نوائی ہے بارِ گوش!
اُٹھ جائیں بزمِ شعر و سخن سے گلو فروش یارو سنو! کہ جوش پہ ہے نعرۂ سروش

بیداریٔ حیات کا سامان آگیا
عہدِ نوا طرازیٔ احسانؔ آگیا

تیری آواز

کرن مہتاب کی پلکوں پہ آ کر تھرتھراتی ہے
مری رگ رگ طلائی تار بن کر جگمگاتی ہے
زمانہ جب فسونِ خواب سے مدہوش ہوتا ہے
خدا جانے کہاں سے پھر تری آواز آتی ہے

آئینۂ سحر

اللہ رے عالم سے شبِ تار کی رخصت
افسانۂ تنویر نہیں گرچہ مکمّل

ہے چرخ ستاروں کی کشاکش سے سبکدوش
انفاسِ زمیں شورشِ مخلوق سے بوجھل

مشرق کی تجلّی میں یہ مچلتی ہوئی بدلی
خورشید کے رخسار سے اُڑتا ہوا آنچل

مُرغانِ سحر خیز کے نغموں کے اثر سے
سینے میں ہے طوفان بپا روح میں ہلچل

دیتی ہے شمیم اُٹھ کے نگاہوں کو سہارا
خوش پوش پریزاد ہیں گلگشت میں پیدل

اب عقل و جنوں ایک ہی مرکز پہ نگوں ہیں
ایمان کے مطلع پہ نہیں ہے کہیں بادل

خاموش بلندی سے یہ رستا ہوا کہرا
پلکوں سے فضاؤں کی یہ بہتا ہوا کاجل

کانپی ہوئی شبنم پہ یہ خورشید کی نظریں
آہٹ سے ہواؤں کی یہ جاگا ہوا جنگل

بہکانے سے جھونکوں کے یہ لہکا ہوا سبزہ
رستوں کے کناروں پہ یہ بھیگی ہوئی مخمل
پھولوں کے کٹوروں میں یہ صہبائے بہاراں
رقاصۂ موسم کی کھنکتی ہوئی چھاگل
مہکی ہوئی چمپا کے شگوفوں سے خموشی
ہر کنج میں فطرت کی چھلکتی ہوئی بوتل
خورشید پہ باریک سی گلرنگ سی بدلی
جبریل کی پیشانیٔ صنوبر پہ صندل
فطرت دلِ شاعر کی گرہ کھول رہی ہے
محسوس یہ ہوتا ہے نظر بول رہی ہے

کاروانِ بہار

زمیں پہ فرش ہے نرگس کی مست آنکھوں کا
کہ رات رات کا مہماں ہے کاروانِ بہار
برس رہی ہے پھواروں میں نیند حوروں کی
خزاں کے خواب سے چونکے ہیں خفتگانِ بہار

یادِ ماضی

احسان وہ دن یاد آتے ہیں جب کیفِ طرب تھا جینے میں
آنکھوں میں تبسّم بستا تھا ارمان بھرے تھے سینے میں

جب صُبح کو چڑیاں آتی تھیں ہر شاخ پہ خوش الحانی کو
مدہوش ہوائیں چھُوتی تھیں لہرا کے مری پیشانی کو

خوشبوئے محبّت اُڑتی تھی ہر چار طرف پیمانوں سے
مستانہ ہوائیں آتی تھیں تقدیس بھرے میخانوں سے

جب رات کو یاد آ جاتی تھی قدرت کے تجلّی زاروں کی
تخئیل مچلتی پھرتی تھی تنویر پہ ہنستے تاروں کی

جب نیم کی لرزاں شاخوں سے مہتاب جبیں چمکاتا تھا
اک کیف کی دُنیا ساتھ لئے ہر نیند کا جھونکا آتا تھا

تاروں کی تڑپتی کرنوں میں جب تارِ نظر جا ملتے تھے
احساس کی ٹھنڈی وادی میں زرکار شگوفے کھلتے تھے

سردی کی سہانی راتوں میں جب ساری دُنیا سوتی تھی
نغماتِ ربابِ فطرت سے معمور سماعت ہوتی تھی

اِن نور بھرے نظّاروں میں ہر روز یونہی سو جاتا تھا
تنویر کے در کھُل جاتے تھے تنویم میں گم ہو جاتا تھا

جوانمرد

جا رہا ہے ایک البیلا جواں با کرّ و فر
مُہر کی صورت ہیں نقشِ پا جبینِ خاک پر

رزمگاہِ عمر میں اُٹھتی اُمنگیں گرمِ ناز
صبح آغازِ مشقّت، شام تمہیدِ نیاز

رنگ گورا، پیرہن خاکی، توانا دست و پا
ہر قدم پر شوکتِ مردانہ مصروفِ ادا

چال جیسے گردشِ گردوں، نظر جیسے شہاب
رُوح میں شعلے تنفّس میں بگولوں کا شباب

جنبشِ ابرو میں شہپرِ موت کے ہلتے ہوئے
نبضِ خون آشام کی انگڑائی سے ملتے ہوئے

بازوؤں میں رُوحِ طوفاں، اُنگلیوں میں موجِ خوں
حوصلوں کے آئینوں میں پرتوِ شمعِ جنوں

جرأتوں میں آندھیوں کی تُند رفتاری کا جوش
گرم سینے میں شراروں کا ہجومِ بے خروش

نبض میں خونِ شجاعت، رُخ پہ رنگِ ابر و باد
سر میں سلطانی کا سودا، دل میں تدبیرِ جہاد

دیکھ کر شمس و قمر پھر اس شرر پارے کو دیکھ!
عرش کی تقدیر کے ٹوٹے ہوئے تارے کو دیکھ!

غور کر ہاں غور کر یہ بھی کسی ماں کا ہے لال!
صنفِ نازک اور پھر اُس کا یہ نقشِ بے مثال

جس کے قرآں میں قصیدے ہیں یہ وہ انسان ہے
ہو زمیں سے آسماں پیدا خدا کی شان ہے

طُلوعِ ماہ

سٹیشن کالکاؔ کا اور طُلوعِ ماہ کا منظر
نگاہوں میں ہے اب تک وہ تجلّی گاہ کا منظر
مسافر جانے والی ریل کے بیتاب پھرتے تھے
نگاہوں میں مری گویا پریشاں خواب پھرتے تھے
تھیں رنگیں بدلیاں پیمک لگائے آستینوں پر
نگاہیں چڑھ رہی تھیں بے تپے سونے کے زینوں پر
گھٹا کھیتوں پہ جب دھیرے سے آنچل ڈال دیتی تھی
تو ہر بٹیا کے سانچے میں سیاہی ڈھال دیتی تھی

عجب حالت تھی شبنم کے چٹورے سبزہ زاروں کی
تھمی ہوں جیسے ہو کر بارشیں ننھے ستاروں کی
شگافِ ابر سے جب نرم کرنیں جھانک لیتی تھیں
شلوکوں پر سنہری لیس کلیاں ٹانک لیتی تھیں
کبھی چشم نظارہ رہنمائی کو ترستی تھی
کبھی گاڑی کے عرض و طول پر چاندی برستی تھی
کبھی ہلکی ہوا سے جھاڑیاں کروٹ بدلتی تھیں
کبھی سبزے پہ ٹھنڈی اوس میں کرنیں مچلتی تھیں
کبھی تاریک ہو جاتے تھے دامن کوہساروں کے
کبھی باریک پڑ جاتے تھے آنچل ابر پاروں کے
کبھی پیڑوں تلے برسات کا پانی جھلکتا تھا
کبھی سائے کا تختہ جانبِ میداں لپکتا تھا

تعاقب میں کبھی تھا ظلمتوں کے سیلِ نورانی
چمکتی تھی کبھی بھیگے ہوئے پیڑوں کی پیشانی
کبھی ہلکی تجلّی رینگتی تھی رہگذاروں پر
کبھی مشعل سی جل اُٹھتی تھی جنگل کے کناروں پر
دلِ میداں کبھی روشن کبھی تاریک ہوتا تھا
گھنا جنگل کبھی دُور اور کبھی نزدیک ہوتا تھا
بدلتی تھیں گھٹائیں بہتیرے یوں آسمانوں پر
سُنہری گوٹ لگ جاتی تھی خوابیدہ چٹانوں پر
خموشی دے رہی تھی رُوح کو پیغامِ بیداری
کہ انجن پر ہُوا صحرا نوردی کا جنوں طاری
بجی سیٹی لگی برچھی سی خاموشی کے سینے پر
چلی گاڑی پڑا ڈاکہ خیالوں کے خزینے پر

انجامِ شب

ہے سحر نزدیک گلزاروں میں جاگی ہے بہار
پڑ گئی پھیکی ستاروں کی قبائے زرنگار
حورِ مشرق لیکے آنے ہی کو ہے زرّیں سبو
ہو رہی ہے نور و ظلمت میں وداعی گفتگو
خلق پر طاری ہے نورانی ربابوں کا فسوں
رفتہ رفتہ ٹوٹتا جاتا ہے خوابوں کا فسوں
جا رہے ہیں سیر کو زندہ دل و فرخندہ فال
بچھ رہا ہے خاک پر سورج کی کرنوں کا جمال

ہے لبالب بادۂ زرّیں سے گردوں کا ایاغ
نطق لیتا ہے جماہی مسکراتا ہے دماغ

آ رہی ہے کھیلتی کم عمر پودوں سے ہوا
سن رہے ہیں کان رہگیروں کی چاپوں کی صدا

زمزمے برسا رہے ہیں گلستانوں میں طیور
وقت کے بشّاش چہرے سے ٹپکتا ہے شعور

حسنِ فطرت سے دماغِ عقل و دیں چکّر میں ہے
آسمانوں کو تحیّر ہے، زمیں چکّر میں ہے

یہ وہ منظر ہے کہ مرنے کا مزا جینے میں ہے
موجِ اشک آنکھوں میں جوئے آرزو سینے میں ہے

ساون کی گھٹا

وہ اٹھی کالی گھٹا دیوانہ وار / بازوؤں پر بادِ صرصر کے سوار
بدلیوں کو بدلیوں میں ریلتی، / رقص سا کرتی، سمٹتی، کھیلتی
منظرِ آفاق پر نظریں جمائے / دامنوں پر سرخ سنجافیں لگائے
ابریاں سی آسماں پر تانتی / میٹھی میٹھی رس کی بوندیں چھانتی
بجلیوں سے دل کو بہلاتی ہوئی / کوہ کے ماتھے کو سہلاتی ہوئی
دلنشیں بوندوں میں پیمانے لئے / مضطرب سیّال میخانے لئے
بیخودی کے راز سمجھاتی ہوئی / لغزشوں کو ہوش میں لاتی ہوئی
ساحلوں پر زندگی سی چھا گئی، / سبزہ زاروں کو پھریری آ گئی

بھر گئیں شادابیوں سے وادیاں ہنس پڑیں کمسن گلستاں زادیاں

سوز ہے طاؤس کی آواز میں زمزمے بیتاب ہیں ہر ساز میں

ناز کی محفل ہے سر گرمِ نیاز ہر شجر ہے باغ میں محوِ نماز

کالے کالے بادلوں میں الاماں بجلیوں کی تھر تھراتی دھاریاں

سرد جھونکے رقص میں مستانہ وار راگ برساتی ہوئی ہلکی پھُوار

اس طرح چھایا ہے حسنِ تیرہ فام ندیوں پر کھنچ گئی تصویرِ شام

کوکنا کوئل کا برساتا ہے تیر دل پہ لہراتی ہے نورانی لکیر

پھر مجھے یہ کس کی یاد آنے لگی
کیوں مری آنکھ اشک برسانے لگی؟

مہتاب در مہتاب

چودھویں شب کی جوانی ہے سراسر سحر کار
نور کی طغیانیوں سے ہیں نگاہیں ہمکنار

نرم پردوں سے ہوا کے چھن رہی ہے چاندنی
حُسن کا دلکش فسانہ بن رہی ہے چاندنی

بھیگتے ہی رات ساکن ہو گئی ہیں بستیاں
سرد جھونکوں میں ہوا کے سو گئی ہیں کھیتیاں

جھومتا ہے نرم رَو موجوں میں عکسِ ماہتاب
ساحلوں پر سربسر آباد ہیں حُوروں کے خواب

آسمانوں پر بشاشت، روئے گیتی پر بہار
اوس کی بوندوں پہ ضو، معصوم کلیوں پر نکھار
بند غنچوں کی زبانیں، نغمۂ بلبل کے خموش
جنگلوں میں پیچ و خم کھائے ہوئے رستے خموش
چاندنی کی خامشی میں بہ رہی ہے بوئے گل
خوابِ گلشن کا فسانہ کہہ رہی ہے بوئے گل
راستوں میں اک سلونا پن فضاؤں میں اُمنگ
اونگھتے باغات پر پگھلی ہوئی چاندی کا رنگ
شاخساروں میں سہانی تیرگی میداں میں نور
جھاڑیوں میں مست جھینگر کی صدا نزدیک و دور

کیفِ سیمیں آسماں سے تا زمیں چھایا ہوا
لانبے لانبے دوب کے ریشوں کو وجد آیا ہوا؟

اک حسینہ صندلی زُلفوں کو بکھرائے ہوئے
چُپ سی، دریا کے کنارے پاؤں لٹکائے ہوئے
مرمریں گردن، بھرے شانے جوانی کا سماں
لانبی پلکیں، لانبی پلکوں کے تلے پرچھائیاں
نرگسی آنکھیں تمنائے تکلّم درکنار
خامشی ایسی، کہ ہونٹوں کی لکیریں بیقرار
لوحِ پیشانی پہ رنگیں خط خطوں میں اک دمک
جس طرح زرّیں شفق میں سُرخ بادل کی دھنک
زُلف کا ہلکا سا سایہ ہے جبینِ ناز پر
سادگی نازاں ہے اپنے سحر پر اعجاز پر
پھول سے رخسار میں رنگینیوں کا اژدحام
جیسے شیشے کی صُراحی میں شرابِ لالہ فام

ہاتھ ہے زانو پہ لہرائے ہوئے شانوں پہ بال
سینۂ فطرت میں تخلیقِ گلستاں کا خیال

چرخ پر مہتاب ہے، پانی میں مہتابِ رواں
جسم پر آبِ رواں، قدموں میں سیمابِ رواں

پسل کر شبنم میں ساری جسم سے چمٹی ہوئی
چاندنی کی گود میں قوسِ قزح سمٹی ہوئی

جوشِ مستی مُنہ سے کچھ کہنے نہیں دیتا مجھے
یہ عجب طوفاں ہے جو بہنے نہیں دیتا مجھے

عشق کی آنکھوں پہ وارِ عنائیوں کا باب ہے
حسن کی دیوی ہے یا "مہتاب درمہتاب" ہے؟

شملے سے سمرہل آتے ہوئے

یہ شملے کی فضا یہ فطرتِ رنگیں کے نظّارے
نگاہِ جلوہ بیں میں ناز فرما ہیں قمر پارے

صدائے نغمۂ بے لفظ کے خاموش ہنگامے
عروسانِ بہارِ کوہ کے مدہوش ہنگامے
کمالِ ارتقاء کے حسن در آغوش ہنگامے
نقوشِ جلوۂ بیرنگ کے گلپوش ہنگامے

ہوا کے بازوؤں پر مست و خوش منظر گھٹاؤں میں
خدائے گلستاں کا گشت ہے رنگیں فضاؤں میں

ہوا کے نرم جھونکے سبزہ زاروں پر مچلتے ہیں
پری وش سوتے سوتے جس طرح کروٹ بدلتے ہیں

اداکارانِ فطرت پینترے ہر سو بدلتے ہیں
رگِ ہر سنگ سے تنویر کے سوتے اُبلتے ہیں

گُلِ نورس ہیں یا چھلکے ہوئے مستی میں پیمانے
جدھر دیکھو اُڑے پھرتے ہیں لے ترتیب میخانے

بلند و پست پر ہے دستِ قدرت کی قلمکاری
زمرّد زار میں ہے رنگ و بو کی گرم بازاری

کسی کی چشمِ خواب آلود ہے منظر کی بیداری
یہ عالم ہے کہ باہم مل گئیں مستی و ہشیاری

نگاہیں پھول کی ہر پنکھڑی پر کانپ جاتی ہیں
خدا جانے یہ کس کافر ادا کو بھانپ جاتی ہیں

ہے رشکِ خلد ان سنگین دیواروں میں تنہائی
پریشاں سنگ پاروں پر نگاہوں کی جبیں سائی
وفا آموز فطرت کی دل آویزی' دل آرائی
گھٹائیں، ننھی ننھی بوندیاں، چشموں کی شہنائی
یہ وہ رنگیں گلستاں ہے جو معمورِ لطافت ہے
یہاں کا ذرہ ذرہ مشعلِ راہِ محبت ہے

"برگ خشک"

ریل گاڑی سے اُتر کر جب چلا میں بردوان
آ گیا احسان اک سوکھے ہوئے پتے پہ پاؤں
یہ ندا آئی کہ "بچ! میں بھی ہوں غربت کا شکار
مجھ سے چھوٹا ہے چمن تجھ سے اگر چھوٹا ہے گاؤں"

جلوہ زارِ صبح

ہے وقتِ سحر چمکے ہیں فطرت کے خزینے
نکلا ہوں مئے گُل نگہِ شوق سے پینے
وہ عرش کی قندیل ہو یا طُور کی بجلی!
سب ہیں مری تخییل کے روندے ہوئے زینے
جھونکوں میں ہواؤں کے ترنّم کی لچک ہے
سبزے پہ ہیں ٹپکے ہوئے پھُولوں کے پسینے
کلیوں کے حسیں عکس ہیں ذرّوں کی جبیں پر
جس طرح سلیماں کی انگوٹھی کے نگینے!

پوشیدگیٔ رازِ گلستاں سے ہیں مجبور
بھیگی ہوئی کلیوں کے چٹختے ہوئے سینے
تالاب پہ کرنوں سے برستے ہیں تبسّم
بشّاش ہیں لہروں سے نہائے ہوئے زینے
اُف اوس کی بوندوں میں شعاعوں کی تجلّی
ہیں برق کی موجوں پہ نگاہوں کے سفینے
دیتی ہے ہر اک پھُول کی مہکار گواہی
جھٹکا ہے ابھی زلفِ معنبر کو کسی نے
قربان ہوئی جاتی ہے پھُولوں کی لطافت
اللہ رے کانٹوں کی نشستوں کے قرینے
ہر راہ میں گستاخ نگاہوں کی ہیں زد پر
شرمائے ہوئے جسم دھڑکتے ہوئے سینے

مشرق ہے کہ پگھلے ہوئے سونے کا سمندر
احسانؔ یہ منظر مجھے دیتا نہیں جینے

سائے کی خاصیت

بُلا لیتی ہے مجھ کو چاندنی سے
درختوں کے تلے سایوں کی ظُلمت
کہ اکثر تیرگی کی خلوتوں میں
اُبھرتے ہیں نقوشِ رنج و راحت

نقشِ ناتمام؟

احسان جا رہا تھا اک دن میں لکھنؤ کو
دل میں لیے کسی کی پُر کیف آرزو کو

رات آ چکی تھی آدھی ہر سو تھا گھُپ اندھیرا
حدِّ نگاہ تک تھا تاریکیوں کا ڈیرا

پُر شور ریل گاڑی زوروں سے جا رہی تھی
کانوں میں اس طرح کچھ آواز آ رہی تھی

دریا میں جیسے جاگیں طوفان کے ارادے
جھانجھیں بجائیں جیسے ظلمت میں دیوزادے

جنّات جیسے لے کر بارات جا رہے ہوں
اور زلزلے کے دیوتا دفلی بجا رہے ہوں

آندھی میں جیسے لاوا حل ہو کے جا رہا ہو
یا انقلابِ نو کا ہرکارہ آ رہا ہو

القصّہ رات گذری ہونے لگا سویرا
بھاگا شکست کھا کر ظلمات کا لٹیرا

گاڑی رُکی تو شب کا منظر بدل رہا تھا
نرغے سے تیرگی کے سورج نکل رہا تھا

کچھ حافظے میں منظر آباد سا نہیں ہے
جنکشن کہاں کا تھا وہ کچھ یاد سا نہیں ہے

سکون و اضطراب

اضطرابی ہے تمنّائے سکوں، اور سکوں
اضطرابی سے خبردار نظر آتا ہے
صاحبِ زر ہو کہ نادار برہمن ہو کہ شیخ
ہر بشر غم میں گرفتار نظر آتا ہے

تیرِ نیم کش!

سوزِ آتش بجاں

کیوں کوئی محوِ فغاں ہے اُسے معلوم نہیں
کون بیتاب کہاں ہے اُسے معلوم نہیں

اُس کی محفل میں برستے ہیں سنہری نغمے
کون فریاد کُناں ہے اُسے معلوم نہیں

میرے افلاس کو شاید وہ سمجھتی ہے حقیر
سود پابندِ زیاں ہے اُسے معلوم نہیں

اُس کو ایوانِ زر و سیم بھی موزوں ہیں مگر
منزلت اس کی جہاں ہے، اُسے معلوم نہیں

وہ مری لغزشِ معصوم سے آگاہ تو ہے
پھر بھی جو رازِ نہاں ہے اُسے معلوم نہیں

اُس کے خوش تابِ شبستانِ جوانی کی قسم
وہ مرا خوابِ جواں ہے، اُسے معلوم نہیں

بے سبب آہ یہ دریوزۂ تنویر کہاں
مرا تاریک جہاں ہے اُسے معلوم نہیں

وہ ابھی بیخود و مسرورِ صداقت ہے مگر
سازش آمادہ جہاں ہے اُسے معلوم نہیں

بیوفاؤں سے ہے ناداں کو وفا کی اُمیّد
آج یہ جنس گراں ہے اُسے معلوم نہیں

کیفِ شام

دِن کے کاندھے پہ ہے بسنتی شال
کھیتیوں کو سُلا رہی ہے ہَوا!
اونگھتی ٹہنیوں کے جھُرمُٹ میں
لوریاں گنگنا رہی ہے ہَوا!
لے کے قرآن دردِ اُلفت کا
مثلِ جبریل آ رہی ہے ہَوا!

ایثارِ محبت

تیرا خیال دل میں بسانے لگا ہوں میں
خود اپنے گھر کو آگ لگانے لگا ہوں میں

قربان میں ترے مجھے اتنا نہ یاد کر
پہلو میں ہر گھڑی تجھے پانے لگا ہوں میں

ہے میری زندگی سے اگر تیری دل لگی
لے، زندگی کے ناز اٹھانے لگا ہوں میں

ارض و سما سنبھال کے رکھیں اب اپنے راز
قلب و نظر سے پردہ اٹھانے لگا ہوں میں

پھر دے رہا ہوں دل کو تڑپنے کا مشورہ
پھر یہ بجھا چراغ جلانے لگا ہوں میں

دیر و حرم اب اور کسی کو کریں تلاش
دونوں جہاں نظر سے گرانے لگا ہوں میں

رومانی برسات

ساون کی ہے زور پر جوانی
گرمی کا جگر ہے پانی پانی

بدلی جو برس کے تھم گئی ہے
گلشن میں بہار جم گئی ہے

مٹّی سے ابل رہا ہے بادہ
سبزے پہ مچل رہا ہے بادہ

نشّہ سا برس رہا ہے سب پر
نغمہ ہے ہوا کے سرد لب پر

نالے ہیں کہ راگ گا رہے ہیں
جنگل ہیں کہ سنسنا رہے ہیں

بیتاب ہے آب و گِل میں مستی
آنکھوں میں ہے رنگ دل میں مستی

ہے موجِ طرب ہر ایک جھونکا
پتوں میں لگا ہوا ہے پٹکا!

باغوں میں ہوائیں گونجتی ہیں
موروں کی صدائیں گونجتی ہیں

ہر ایک درخت دُھل گیا ہے ہر چیز کا رنگ کھل گیا ہے
نہریں سی بنی ہوئی ہیں راہیں پیڑوں کی لچک رہی ہیں باہیں

کیا کہئے کہ ہے خیال کس کا
آنکھوں میں ہے اب جمال کس کا

تصویرِ ضیا، وفا کی مسجود آنکھوں سے ہے دُور دل میں موجود
عارض پہ سحر کے سانولا پن مہتابِ شباب روئے روشن
ماتھا ہے کہ آفتاب پارہ جھومر ہے کہ صبح کا ستارہ
ہر موجِ نظر فسوں بداماں قامت پہ نثار سروِ بستاں
آنکھوں میں پیامِ مشفقانہ زُلفوں میں بندھا ہوا زمانہ
نازوں سے پلی ہوئی جوانی سانچے میں ڈھلی ہوئی جوانی

پردے سے اگر جھلک دکھا دے
رضواں بھی قدم پہ سر جھکا دے

شاہوں کے غرور توڑ ڈالے مذہب کی کلائی موڑ ڈالے
لیکن وہ ہے مہربان مجھ پر اتنی، کہ فدا ہے جان مجھ پر

مزدور پہ یہ کرم الٰہی!
مفلس کو دیا ہے تاج شاہی

راز کی بات

(ایک بے انصاف کے تاسّف پر)

تیرے ضمیر و ظرف اگر تھے صفا پسند
بے اعتبار کیوں دلِ پُر اشتباہ تھا
انصاف سے نگاہ ذرا زندگی پہ ڈال
فطرت کا جو عمل تھا جوابِ گناہ تھا

غلط فہمی

(جورِ قدامت کا ایک دلخراش شاہد)

اپنی کج فہمی پہ روتا ہوں کہ کیا سمجھا تھا میں
خارِ حسرت کو گُلِ رنگیں قبا سمجھا تھا میں

یہ ترا اظہارِ مایوسی یہ خوئے انکسار
اس کو اک آدابِ مجلس کی ادا سمجھا تھا میں

پڑ رہا تھا تیری پیشانی پہ عکسِ سوزِ دل
جس کو فانوسِ مسرت کی ضیا سمجھا تھا میں

ایسا استقلالِ پیمانِ وفا دیکھا نہ تھا
آدمی کو یوں نہ پابندِ وفا سمجھا تھا میں

ہے پشیماں انکشافِ حال سے ماضی کی رُوح
کس نگوں بختی کو انعامِ خدا سمجھا تھا میں

مُضمحل غُنچے کو کہتا تھا گُلِ نازِ بہار
سازِ غم کو بربطِ عشرت نوا سمجھا تھا میں

اب رُلائیں گے لہو برسوں یہ دستِ لالہ رنگ
خونِ ارماں تھا جسے رنگِ حنا سمجھا تھا میں

یہ ترے لہجہ کی نرمی آہ یہ اخفائے غم
بس یہ حُسنِ تکلّم کی ادا سمجھا تھا میں

کیا خبر تھی یہ شبابِ ضبط ہے ضبطِ شباب
تیرے رُخ پر غازۂ آب و ہوا سمجھا تھا میں

اے مہِ بے آسماں تو اور یہ غم کی بساط
تجھکو ہمدوشِ ثریّا و سُہا سمجھا تھا میں

بخش دے اس لغزشِ ذوقِ نظر کو بخش دے
پیکرِ غم، تجھ کو راحت آشنا سمجھا تھا میں

ہے ترا دامن تو شایانِ نمازِ آرزو
ہائے کیسی چیز کو افسوس کیا سمجھا تھا میں

دم بخود ہوں تیری آزارِ وفا کو دیکھ کر
اپنے غم کو اک غمِ بے انتہا سمجھا تھا میں

ایک قرآں کی طرح صدق و صفا میں بے مثال
پوچھ کیا سمجھا ہوں! یہ مت پوچھ کیا سمجھا تھا میں!

شکوۂ التفات

کیا سبب ہے کیوں مرے خط کا جواب آتا نہیں
بے نیازی میں تری کیوں انقلاب آتا نہیں

بالش و بستر یہ یہ آسودہ خوابی ہائے ہائے
خواب میں کیا اب کوئی خانہ خراب آتا نہیں

اے جوانِ گفتار یہ خاموشیوں سے ساز باز
کیا ترے پاس آئینہ لیکر شباب آتا نہیں

شاید اک دعوۂ تنقید ہے تیری نظر
ورنہ کیوں دل کو پیامِ اضطراب آتا نہیں

ہائے تو آنکھوں کو اک خوابِ گریزاں بن گیا
رات بھر اب مجھکو بینائی میں خواب آتا نہیں

میں نہ کہتا تھا کہ او ظالم غلط ہے انتخاب
تیری چشمِ جستجو کو انتخاب آتا نہیں

آج یہ دن ہے کہ ہے تیری نظر چابک خرام
اب کسی گنتی میں اک حالِ خراب آتا نہیں

یہ نہ ہو انجامِ الفت پر تو یہ لکھے مجھے
عشق میں احسانؔ دورِ کامیاب آتا نہیں

عشق اور محبوبی کے دوراہے پر ایک حادثہ

نہ پوچھ اے دوست! تیری جانب میں کس تجمّل سے آ رہا تھا
زمیں خزانے اُگل رہی تھی فلک ستارے لُٹا رہا تھا

قدم قدم پر حیاتِ نَو کے جہان تعمیر ہو رہے تھے
جو خواب دیکھے تھے حسرتوں نے تمام تعبیر ہو رہے تھے

نفس نفس میں تھی بوئے عنبر دماغِ ہستی مہک رہا تھا
فروغِ پاکیزگی سے عشق و وفا کا چہرہ دمک رہا تھا

نسیمِ راحت کے رود باروں میں نشّے بہ بہ کے آ رہے تھے
نوائے نغماتِ کہکشاں پر سروش بربط بجا رہے تھے

جمالِ شمس و قمر کی کرنیں غبار تھیں وادیٔ نظر میں
ریاضِ جنت کی نزہتیں بیقرار تھیں وادیٔ نظر میں
ترے تصور سے میرے قلب و جگر کو تسکین مل رہی تھی
سکون تھا اضطرابیوں میں نظر کو تسکین مل رہی تھی
زمانہ معصومیت میں ڈوبا ہوا نظر آ رہا تھا مجھ کو
حجابِ رازِ حیات اُٹھتا ہوا نظر آ رہا تھا مجھ کو
لبوں پہ غنچوں کے تھا تبسم صبا میں نکہت فشانیاں تھیں
جوانیوں پر بشاشتیں تھیں، بشاشتوں پر جوانیاں تھیں
یہ عشق کی سرزمیں پہ تھا فرش میرے سجدوں کی روشنی کا
خودی کی محراب میں تھا روشن چراغ تکمیلِ بیخودی کا
وہ کیف طاری تھا مجھ کو اپنا مقام معلوم ہی نہیں تھا
دماغ میں ارتباط و آسودگی کا مفہوم ہی نہیں تھا

یہ حال تھا میں ابھی زمیں پر ہوں اور ابھی آسماں پہ پہنچا
غرض اسی کیفِ دردِ انجام میں ترے آستاں پہ پہنچا
کیا مگر میرا خیر مقدم زبوں خیالی سے میزباں نے
بنا دیئے اور بھی کئی بدگمان اس ایک بدگماں نے
جو اِن کے پیشِ نگاہ تھا وہ ہی ان کا آئینۂ نظر تھا،
نگاہِ بدبیں میں ان کی ہر ایک نیک اطوار بد گہر تھا،
یہ بدنصیب مذاقِ اُلفت وفا پرستی سے بے خبر تھے!
یہ پستیوں کے مکین اے دوست اوجِ ہستی سے بے خبر تھے!
گناہِ بے لذت آج تھی آہ لذتِ بے گناہ میری
تھا سوئے ظن بے اساس لیکن جھکی ہوئی تھی نگاہ میری
مجھے پرکھتے وہ کیا کہ جب اُن میں جوہرِ آب و گِل نہیں تھے
ستم شعاروں کے تنگ سینوں میں سنگ پارے تھے دل نہیں تھے

مرے خیابانِ آرزو کے گلوں کو پامال کر رہے تھے
خموشیوں میں پلے ہوئے زمزموں کو پامال کر رہے تھے
میں دیکھتا تھا کہ اُن کی فطرت میں نورِ صدق و صفا نہیں ہے
ہے منکرانِ خدا کا مجمع یہاں کوئی باخدا نہیں ہے
کچل رہے تھے مری محبّت کو مِل کے حرص و ہوا کے بندے
ترے حریمِ حیا کے بندے بھی تھے سراپا جفا کے بندے
میں کس طرح ان جفا سرشتوں کے دل سے پستی نکال دیتا
میں کیسے ان آہنی چٹانوں کو دل کے سانچے میں ڈھال دیتا
مقامِ حیرت ہے کیوں یہ آخر خلوصِ نیّت سے بے خبر تھے؟
یہ جانور زاد آدمی تھے؟ کہ آدمی زاد جانور تھے؟
تجھے مری خوں شدہ امیدوں نے آخری وقت تک پکارا
مگر کہاں سے جواب ملتا کہ سازِ جرأت تھا پارا پارا

چلا ہوں لے اے نگارِ رُوپوش دل میں بنیادِ مرگ ڈالے
تجھے خدا کے سپرد کرتا ہوں اور محبّت ترے حوالے

زباں کو چُپ سی لگ گئی ہے فغاں نگاہوں میں آ رہی ہے
فلک ہٹا جا رہا ہے سر سے زمین دامن چھڑا رہی ہے

فضا سے آواز آ رہی ہے وہ پاؤں اُکھڑے ذرا سنبھلنا!
یہ ذرّے ذرّے کی سرزنش ہے کہ دیکھنا مجھ سے بچ کے چلنا!

چھڑا کے مجھ سے تجھے ہے اب اپنی کامیابی پہ شاد دُنیا
یہ سفلہ پرور ذلیل دُنیا، یہ فتنہ خُو نامراد دُنیا،

مگر یہ زخمِ جگر جو تیری نگاہِ اوّل کی ہے نشانی
مری حیاتِ معاشقہ کو بنا دیا اس نے غیر فانی

تری محبّت کو چھین سکتا نہیں کوئی مجھ سے دو جہاں میں
نہ ظرف یہ کاسۂ زمیں کا، نہ تاب و طاقت یہ آسماں میں

سمجھ رہا ہوں کہ میرا شکوہ ترے لئے وجہِ غم بنے گا
مرا خموشی سے آہ کرنا بھی تیرے حق میں ستم بنے گا
خموش مجبوریوں کی تعمیلِ ضبط تقدیرِ دل بنے گی
قدم قدم پر محافظوں کی نگاہ زنجیرِ دل بنے گی
تری سرشتِ جمیل کی تابناکیوں پر یہ شک کریں گے
یہ تیرہ باطن ہیں، بدگمانی کریں گے اور بے جھجک کریں گے
یہ تیرے بیتابِ شوق کی دردزا کہانی سے بے خبر ہیں
یہ تیری رعنائیوں کی اندوہگیں جوانی سے بے خبر ہیں
ہزار چاہا کہ ضبطِ غم ہو، زباں کو نالوں سے باز رکھوں
جلوں میں خود اپنی آگ میں آپ راز کو تیرے راز رکھوں
مگر خدا جانتا ہے مجھ کو نہیں رہا اختیار دل پر
برس رہی ہیں ہزار ہا بجلیاں مرے بیقرار دل پر

مجھے تری زندگی کی مجبوریوں نے غمناک کر دیا ہے
ندامتِ بے خطا کے احساس نے جگر چاک کر دیا ہے
گلہ ذرا سا یہ میری حسرت کو ہے ترے حسنِ عشق خو سے
بڑھا دیئے تو نے اپنے آداب بزمِ آداب آرزو سے

قلب و نظر

نہیں بیجا مری آنکھوں کا جھکنا
یہ تابِ دید لا سکتی ہیں کیونکر
غموں سے جبکہ دل ہی بیٹھ جائے
نگاہیں سر اٹھا سکتی ہیں کیونکر

حرمانِ شوق

در سے ترے ملول و پریشاں چلا ہُوں میں
دُنیا کی منصفی سے ہراساں چلا ہُوں میں

ان کے کرم پہ آج مسلّط ہے احتیاط
صیدِ زبوں خیالی دَرباں چلا ہوں میں

جامِ وفا ہے سنگِ ندامت سے پاش پاش
شکوہ گذارِ گردشِ دوراں چلا ہوں میں

انجامِ خندہ ہائے محبّت نہ پوچھئے!
آغازِ جاں نواز پہ گریاں چلا ہوں میں

خوابوں تک اب سعادتِ دیدار رہ گئی
لے کر غمِ نشاطِ گریزاں چلا ہوں میں

جو خوابِ آرزو تھا مدارِ حیاتِ عشق
اُس کو بنا کے خوابِ پریشاں چلا ہوں میں

دل میں جنازہ ہائے تمنّا ہیں صف بصف
آیا تھا شاد ہو کے پشیماں چلا ہوں میں

فریاد! اے صداقتِ ایماں فروزِ عشق!
ایماں فروزِ عشق سے نالاں چلا ہوں میں

جن کے فروغِ نور سے دل رشکِ طُور ہے
لے کر وہ داغہائے درخشاں چلا ہوں میں

جس آستاں پہ غنچہ بداماں تھی آرزو
اُس آستاں سے شعلہ بداماں چلا ہوں میں

کہاں ہے

قسمت میں خوشی اے دلِ ناکام کہاں ہے
گل ناز تھا جس پر وہ گل اندام کہاں ہے

جب تھی مرے آغوش میں اک خلدِ محبّت
وہ دورِ طرب گردشِ ایّام کہاں ہے

جس نامہ و پیغام سے بیدار تھی قسمت
قسمت میں وہ اب نامہ و پیغام کہاں ہے

محروم ہیں جس مست نگاہی سے نگاہیں!
وہ روحِ چمن بادۂ بے جام کہاں ہے

گلزار میں سامانِ طرب اب بھی ہے لیکن
پہلا سا وہ ساغر کدۂ عام کہاں ہے

ہنستا ہوں کہ کس بات پہ شاعر کو یقیں تھا
روتا ہوں کہ وہ مایۂ آرام کہاں ہے

اب صبح کے سینے میں نہیں رقصِ تجلّی
اب عطر فشاں ہر نفسِ شام کہاں ہے

ہر سانس ہے تمہیدِ بیانِ غمِ فرقت
آغاز ہی آغاز ہے انجام کہاں ہے

عرضِ ناتمام

(ایک تغافل کیش سے)

ایک پیکرِ جلوہ، رشکِ ماہِ کنعانی
ابتدائے نامہ ہے انتہائے حیرانی

تیرا فقرہ فقرہ ہے معنیٔ ستم رانی
لُٹ گیا سکوں دل کا بڑھ گئی پریشانی

یوں اگر محبت کو پائمال کرنا تھا
کیوں دکھائے تھے مجھکو خوابہائے نورانی

ہر نفس میں اک نالہ، ہر پلک میں اک آنسو
ہے فغاں کے نرغے میں دل کی صبر سامانی

چشمِ شوق بے جلوہ قلبِ زار بے تسکیں
ضبطِ غم کرے کب تک ظرفِ طبعِ انسانی

ہر طرف زمانے میں بیکسی کا منظر ہے
چھا گئی نگاہوں پر شہرِ دل کی ویرانی

کچھ عجب نہیں رہ جائے شمعِ زندگی بجھ کر
کم نہیں ہے صرصر سے رنج کی فراوانی

دیکھئے کہاں پہنچے نازو نخوتِ جلوہ
حد سے بڑھتی جاتی ہے عشق کی پشیمانی

(ناتمام)

اشارات

آنکھوں کی راہ دل میں سمانا نہ تھا تمھیں
صبرُ وسکوں پہ برق گرانا نہ تھا تمھیں

وہ بات اور تھی کہ نہ جلتا چراغِ عشق
روشن اگر کیا تھا بُجھانا نہ تھا تمھیں

رنگین ہے لہو سے مری داستانِ زیست
افسانۂ شباب سُنانا نہ تھا تمھیں!

میدانِ انبساط میں گر وسعتیں نہ تھیں
دامانِ آرزو کو بڑھانا نہ تھا تمھیں

تسکین و عافیت کی اجازت نہ تھی اگر
یوں بے حجاب سامنے آنا نہ تھا تمہیں!
امکان میں نہیں تھی مسرّت جو عمر بھر
دامانِ غم میں داغ لگانا نہ تھا تمہیں!
ماحول پر نہ تھا جو تمنّا کو اعتبار
مجھ کو بھی اعتبار دلانا نہ تھا تمہیں!
میرے لئے تو خط و کتابت بھی کم نہ تھی
پردہ حقیقتوں سے اُٹھانا نہ تھا تمہیں!
آزادئ نگاہ میسّر نہ تھی اگر
آزادیوں پہ ہاتھ بڑھانا نہ تھا تمہیں
آدابِ مجلسی کا تقاضا اگر نہ تھا
باہر حدودِ ضبط سے آنا نہ تھا تمہیں

انجامِ ربط و ضبط سے واقف اگر تھا دل
اس طرح ربط و ضبط بڑھانا نہ تھا تمہیں!
تھے بدگمانیوں کے جو کانٹے بچھے ہوئے
راہِ وفا میں بھول کے آنا نہ تھا تمہیں!
مجھ بے نوا کو عالمِ پستی میں دیکھ کر
دل کی بلندیوں سے گرانا نہ تھا تمہیں!
مانا کہ تم پہ یورشِ حرماں تھی بے طرح!
لیکن مرا نصیب جگانا نہ تھا تمہیں!
چُپ ہو گئی ہو دے کے غمِ جاودانِ عشق
یوں مجھ کو جانکنی میں پھنسانا نہ تھا تمہیں!

ایک ناتمام رومان؟

("تال کٹورا پارک" نیو دہلی میں چند ناقابل فراموش لمحے)

السلام اے گلشنِ نکہت فشان و رنگبار — تیرا ہر ذرّہ ہے میری آرزوؤں کا مزار
تیری مٹّی میں مرا صبر و سکوں مدفون ہے — تیرے پھولوں کی رگوں میں حسرتوں کا خون ہے

یاد ہے تجھکو کہ میں نے دل کی راحت کے لئے
ایک ہستی منتخب کی تھی محبّت کے لئے

زندگی جس کی حقوقِ زندگی سے دُور تھی — لعبتِ شرم و حیا تھی پیکرِ مجبور تھی
شادمانی جس کی برساتی تھی ناشادی کا رنگ — جس کی آبادی کے دامن میں تھا بربادی کا رنگ
جس کو فطرت نے دیا تھا اک شبابِ سوگوار — جو تھی اک جورِ قدامت کا مجسّم شاہکار
جس کی انگڑائی تھی اک گہوارۂ حرمان و یاس — خشک ہونٹوں پہ سفیدی زرد ماتھے پہ ہراس

جس کے اشکوں میں لرزتے تھے جوانی کے شرار جس کی پلکیں تھیں فسردہ زمزموں کے آبشار
گفتگو میں جس کی اک موسیقیٔ بیمار تھی سانس جس کی رنگ میں ڈوبی ہوئی تلوار تھی

تجھ میں لیکن ایک بار آ کر نہ پھر آنا ہوا
کِرکِرا ثابت ہوا دن رات کا چھانا ہوا

بدگمانی سے صداقت مات کھا کر رہ گئی شرم سے پاکیزگی گردن جھکا کر رہ گئی
خاک پر تیری نقوش انگیز تھا اُس کا خرام ٹہنیاں تیری اُسے کرتی تھیں جھک جھک کر سلام
آئی تھی وہ تیرے سبزے پر قدم رکھتی ہوئی میرے مستقبل کی بنیادِ الم رکھتی ہوئی
تو مری کمسن محبّت کا مزارِ پاک ہے تیرے ہر ذرّے میں اک تنویرِ حسرتناک ہے

جب بھی دلّی آؤنگا میں تجھپہ سو کر جاؤں گا
آنسوؤں سے دامنِ ہستی کو دھو کر جاؤں گا

گذرگاہِ خیال

آہ اے اقبال!

کہاں ہے آہ اے اقبالؔ اے ملّت کے شیدائی
ترستی ہے ترے دیدار کو چشمِ تمنّائی

ملی تھی سرزمینِ شور تجھ کو پھول بونے کو
تری تقدیر تھی بربادیٔ ملّت پہ رونے کو

دیا ذوقِ یقیں کا درس تو نے بے دماغوں کو
سنبھالا آندھیوں میں روح کے بجھتے چراغوں کو

بدل دی گلستانِ ہند کی یکسر ہوا تو نے
عطا مستسقیوں کو کر دیا آبِ بقا تو نے

ترے نغموں کے قابل گرچہ یہ بُستاں نہ تھا ہرگز
ترا ماحول تیرے ذوق کے شایاں نہ تھا ہرگز
مگر کی اس طرح پوری کمی بے اختیاری کی
کہ دن کو فکرِ فردا رات کو اختر شماری کی
نہ پایا گلشنِ پنجاب میں جب ہم نوا اپنا
سمجھ کر سوچ کر حاصل کیا یوں مدّعا اپنا
مشامِ جاں نے تیرے مانگ لی بُو باغِ دہلی سے
لیا درسِ نوا پیرائی تو نے داغِ[1] دہلی سے
گداز ایسا بھرا پھر تو نے اپنی داستانوں میں
کہ زندہ کر دیئے جذباتِ آزادی جوانوں میں
ترے نغموں سے ہے فولاد کے دل میں لچک پیدا
تری تانوں سے ہی ہستی کی نبضوں میں دھمک پیدا

[1] حضرت نواب مرزا خاں داغ دہلوی مرحوم

بتائے خود فراموشوں کو اسرارِ خودی تو نے
بنایا آدمی کو فی الحقیقت آدمی تو نے

تمیزِ زندگی دی تو نے درسِ زندگانی سے
چٹانوں کے جگر برما دیئے آتش بیانی سے

مٹایا امتیازِ رنگ و نسلِ آدمی تو نے
حجابِ شاعری میں کی ہے اک پیغمبری تو نے

ہے تیرے زمزموں سے لوچ پیدا کوہساروں میں
ہے تیرا شعلۂ آواز رقصاں برق پاروں میں

تری آتش نوائی سے ہے پتھر میں شرر پیدا
نگاہوں سے ہے تیری سنگریزوں میں نظر پیدا

دکھائے تو نے ناکاموں کو رستے کامرانی کے
نکالے موت کے دریا سے ساحل زندگانی کے

سنوارا تو نے گیسوئے عروسِ علم و حکمت کو
پرِ پرواز بخشے تو نے ذوقِ آدمیّت کو
تری نظروں میں قیمت ہی نہ تھی کچھ کجکلاہی کی
حقیقت آشکارا تجھ پہ تھی دینِ الٰہی کی
مسلمانوں کو پیش اسلام کی توحید کی تو نے
خدا کے آخری پیغام کی تجدید کی تو نے
کیا ہے پستیوں کو رفعتوں سے آشنا تو نے
سنائی گمرہوں کو پے بہ پے بانگ درا تو نے
ترا ثانی کوئی ہندوستاں میں ہو نہیں سکتا
یہ سوزِ بے اماں سازِ بیاں میں ہو نہیں سکتا
ترے آتش فشاں پر سوز نغموں سے جہاں جاگے گا
زمیں نے کروٹوں پر کروٹیں لیں آسماں جاگے گا

مگر پنجاب اب تک بیخود و مدہوش سوتا ہے
زمانہ جاگ اُٹھا اور یہ غفلت کوش سوتا ہے

یہ بحرِ بیخودی میں سر بسر غرقاب ہے اب تک
یہ میٹھی نیند کا ماتا اسیرِ خواب ہے اب تک

قیامت ہے سمندر میں بھی شورِ تشنہ کامی ہو
جہاں اقبال پیدا ہو، وہاں مذہب غلامی ہو؟

بوڑھے سرمایہ دار سے

مقصدِ ہستی نہیں یہ جلوہ ہائے سیم و زر
شادمانی کو سمجھ ناشادمانی کا فریب!

خون میں تیرے کہاں باقی تب و تابِ حیات
دے رہی ہے موت تجھکو زندگانی کا فریب

دورِ سیاست!

شاد ہو اے دل کہ رُوحوں میں حرارت آگئی
مژدہ بن کر عصرِ حاضر کی سیاست آگئی
اہلِ نخوت میں سوا نیزے پہ اُترا آفتاب
سر پہ ہر تاریک باطن کے قیامت آگئی
ہر عقیدے کی رگوں میں گرم ہے خونِ جہاد
مُضمحل ایماں کے چہرے پر بشاشت آگئی
نرم کرنیں مشرقِ ملّت میں ہیں تنویر زن
رات کے بے نُور ماتھے پر صباحت آگئی

میان میں سوتی ہوئی تیغوں نے لیں انگڑائیاں
برچھیوں سے کھیلتی رُوحِ شجاعت آگئی،

اب ملے گا ہر کس و ناکس کو اک درسِ شعور
پیرہن پہنے صحافت کا صداقت آگئی

صاحبِ زر لرزہ بر اندام ہیں، مزدور شاد
اہلِ شر محسوس کرتے ہیں کہ شامت آگئی

شب کے رُخ سے اُٹھ رہی ہیں تیرگی کی چلمنیں
پرچمِ زرّیں لئے صُبحِ مسرّت آگئی

موت نے سمجھا دیا ہے زیرکوں کو رازِ زیست
تلخیوں میں زندگانی کی حلاوت آگئی

لمحۂ فکریہ

خلاؤں میں کُن کی صدا آچکی تھی   ہر اک رُوح قالب کو گرما چکی تھی
تجلّی نگاہوں میں لہرا چکی تھی   محبّت رگ و پے کو . برفا چکی تھی

ستاروں کو سات آسماں مل چکے تھے
زمیں کو مکین و مکاں مل چکے تھے

تھا حُسنِ ازل کا کُل آرائے دُنیا   لبالب تھی اُلفت سے مینائے دُنیا
تھی سادہ روی کار فرمائے دُنیا   نہ تھی لب پہ دُنیا کے یہ "ہائے دُنیا"

محبّت کا پھُولا تھا گلشن جہاں میں
کشش تھی نظر میں اثر تھا زباں میں

خیالوں میں ہرگز نہ تھی ایسی پستی   صداقت تھی انسان کا جزوِ ہستی
تھا ہر قریہ آزاد بندوں کی بستی   زبردست تھے مشفقِ زیردستی
خلوص اور محبّت کا سکّہ رواں تھا
بہشتوں کا آبادیوں پر گُماں تھا

نہ آتی تھیں انساں کو پُرپیچ چالیں   کہ اُلفت کو مطلب کے سانچے میں ڈھالیں
ریاکار بن کے دُنیا بنا لیں   مکاں ضبط کر لیں، زمینیں دبا لیں
سرِ طاقِ دل شمعِ فقر کو دھر کے
تیقّن کو جھٹکا دیا بزم بھر کے!

کسی نے رُخِ مہرِ تاباں کو پوجا   کسی نے نجومِ درخشاں کو پوجا
کسی نے فروغِ بہاراں کو پوجا   کسی نے خطِ برقِ لرزاں کو پوجا
کوئی جُھک گیا روئے خوباں کے آگے
کیا عجز انساں نے انساں کے آگے

رہا مدّتوں جب یہ دُنیا کا عالم تو لہرایا ہر سمت نخوت کا پرچم،
دکھائی تکبّر نے کچھ ایسی چم خم کہ برہم ہوئی محفلِ ابن آدم،

نہ کِشتِ وفا کی ہوئی آبیاری
لگی خون برسانے سرمایہ داری

معاون نہ انساں کا انسان ٹھہرا غلامی غریبوں کا ایمان ٹھہرا
تفنگ و تبر ساز و سامان ٹھہرا جو فرعون اُٹھّا وہ سلطان ٹھہرا

گئی لے کے حاجت رعونت کے آگے
جبینیں جھکیں اہلِ دولت کے آگے

ہوئی بے رُخی دہر میں کارفرما وفا پر جفاؤں نے شبخون مارا
لگے کرنے فاقوں پہ فلقے تیامٹی مجالس میں چلنے لگا دورِ صہبا،

جواہر سے اکثر خزانوں کو پاٹے
مشینوں سے مزدور کے ہاتھ کاٹے

مشورات

مان لے کیونکر دلِ دردآشنا جانے بھی دے!

ایک دھوکا ہے یہ اقرارِ وفا جانے بھی دے!

لوحِ دل پر مرتسم کر لے نقوشِ سوزوساز

سیرِ گل جانے بھی دے، لطفِ صبا جانے بھی دے!

گرمیوں کی دھوپ سے مانوس رکھ ذوقِ نظر

موسمِ گل میں شبِ مہ کی ضیا جانے بھی دے!

راحتِ ساحل تجھے گرداب میں ہوگی نصیب

ڈوبنے والے! خیالِ ناخدا جانے بھی دے!

دیکھ خود داری کے آئینے میں آجائے نہ بال
جان جاتی ہے اگر ہو کر خفا جانے بھی دے
ہم نشینوں پر نہ رکھ اپنی تمنّا کا مدار
ان ستم رانوں سے امیّدِ وفا، جانے بھی دے!
مَوت کے ظُلمت کدے سے مانگ تنویر حیات
جستجوئے چشمۂ آبِ بقا جانے بھی دے!
گردنِ نخوت کو محرابِ حقیقت میں جُھکا،
امتیازِ رتبۂ شاہ و گدا جانے بھی دے!
کر نہ عشرت میں درِ دنیا پہ تحقیرِ سوال
چھوڑ اس بے آسرے کا آسرا جانے بھی دے!
آسماں دشمن، زمیں در پے، جہاں خنجر بکف
رہزنوں میں یہ تلاشِ رہنما جانے بھی دے!

خالِ رُوئے حور پر کبتک ترا طوفِ نظر
یہ حصُولِ باغِ جنّت کی دُعا! جانے بھی دے!
جس روش پر ہے بہت اچھّا ہے عالم کا نظام
ہوش کے دشمن! خیالِ ماسوا جانے بھی دے!
ہاں وہی احسانؔ بد قسمت مگر بیدار دل
کیا سناؤں تجھ کو اُس کا ماجرا جانے بھی دے!

سخن پارہ

مفلسی کیا گُل کریگی میرے ایماں کا چراغ
دخل کیا دیگی پریشانی نظامِ ہوش میں
میں ہوں وہ مانوسِ آلام و مصائب اے ندیم!
پرورش پائی ہے جس نے موت کی آغوش میں

دشوارِیٔ شوق

اُلفت کا یہ صلہ بُتِ عیّار و حیلہ جُو؟
انجامِ سوزِ عشق کو اسرار کر دیا

صبر و سکوں کی راہ میں کانٹے بچھا دیئے
آسانیٔ حیات کو دشوار کر دیا

دل پر گرا کے تلخ نوائی کی بجلیاں
ہر نخلِ آرزو کو شرربار کر دیا

دے کر صدا آفتوں کو تصنّع کی چاشنی
برنائی اُمید کو بیمار کر دیا

دامن میں تھی جو دولتِ اُمّید چھین لی
مفلس بنا دیا مجھے نادار کر دیا

نشتر لگا کے رگِ ارتباط میں
وحشت کو خلوتوں کا طلبگار کر دیا

آنکھوں سے کیفِ خواب کی دُنیا کو لُوٹ کر
معمورۂ ثوابت و سیّار کر دیا

اخلاص کو ڈبو کے نمائش کے رنگ میں
خوئے جفا اساس کا اظہار کر دیا

رعنائیٔ شباب کے آغاز کی قسم
رعنائیٔ شباب سے بیزار کر دیا
کیوں امتحانِ صبر و تحمّل کے نام سے
عہدِ وفا کو خامیٔ گفتار کر دیا

ایک راز

ہے مصیبت میں ہر اک شخص بمقدارِ طلب
زندگی خوابِ پریشاں کے سوا کچھ بھی نہیں
رکھ نہ احباب سے الطاف و کرم کی امّید
دوست تفریح کے ساماں کے سوا کچھ بھی نہیں!

نشاطِ ناکامی

(ایک دوست سے جو امتحان میں ناکامیاب ہو گیا تھا)

اپنی ناکامی سے اتنا کیوں ہے بیتاب و ملول
کس لئے مرجھا گئے شاداب پیشانی کے پھول
بزدلی کو اس قدر کس واسطے دیتا ہے طول
کھو رہا ہے وقت کی دولت کو کیوں آخر فضول
ہر نفس ہے بے بہا اہلِ نظر کے واسطے
جو بھی ہوتا ہے غنیمت ہے بشر کے واسطے
اپنے ہنگاموں کو جانے دے اگر جاتے ہیں یہ
یا در کھ اکثر فریبِ آرزو کھاتے ہیں یہ

تیز رفتاری کا ایسا تلخ پھل پاتے ہیں یہ
آپ بیتی بھی سُناتے ہیں تو شرماتے ہیں یہ
وقت کی تعزیر آوارہ پھراتی ہے انھیں
اپنے بیگانے کی نظروں سے گراتی ہے انھیں
کیسی جنسِ رائگاں کی گرم بازاری ہے آج
ہند میں طوقِ غلامی کی خریداری ہے آج
ہر طرف تعلیمِ نَو کی ذلّت و خواری ہے آج
عافیت اندیشیوں پر بے حسی طاری ہے آج
فیل ہونے سے عبث غم میں گھُلا جاتا ہے تو
صدمۂ موہوم سے بے وجہ گھبراتا ہے تو
نامرادی کو خوشی کے دلنشیں سانچے میں ڈھال!
مشق کر گتکا پھری کی، گیند چوگاں سے نکال!

زمزمے گا! رقص کر! بازی بچھا! بربط سنبھال!
بڑھ گیا تیری نشاطِ عمر میں ایک اور سال

کس لئے ہر وقت تجھ سے خوش رہا جاتا نہیں؟
دمِ غنیمت جان، گذرا وقت ہاتھ آتا نہیں!

عیش کا در آج تیری زندگی پر باز ہے
ہوسٹل کی شان گھر کی آن سے ممتاز ہے
راگ سے بھرپور ایّامِ طرب کا ساز ہے
عُمر کے دامن میں سامانِ نیاز و ناز ہے

ورنہ بی۔اے کی سند آغاز ہے آفات کا
اس سحر کا نور چشمہ ہے کالی رات کا

ہوسٹل میں رنجِ دُنیا میہماں ہوتا نہیں
غم یہاں کوئی نصیبِ دشمناں ہوتا نہیں

اس زمیں پر آسماں تا مہرباں ہوتا نہیں
چھوڑ کر کالج کبھی انساں جواں ہوتا نہیں

سینہ خالی، دل پریشاں، خشک لب، آنکھیں اُجاڑ
ہر طرف سے ٹوٹ پڑتے ہیں مصیبت کے پہاڑ

ہے کہیں شادی کا جھنجھٹ اور کہیں دشمن سے چوٹ
سبحہ و زنار کے جھگڑے نکوکاری کے اوٹ

نوکری، بیماریاں، شہرت، سفر، اولاد، ووٹ
الغرض بگلے کی صورت انگ اجلا من میں کھوٹ

خود بخود جب طمع کے میداں میں اُٹھتے ہیں قدم
آدمیت توڑ دیتی ہے پریشانی میں دم

مسخ چہرہ ہو کے رہتا ہے ریا کا اشتہار
دل کی کالک صاف ہوتی ہے جبیں سے آشکار

دیدۂ خود بیں میں رہتا ہے شرارت کا خمار
پنجۂ باطل سے ہو جاتا ہے دامن تار تار
بندشِ اخلاق قلبِ حیلہ جو سہتا نہیں،
آدمی پھر فی الحقیقت آدمی رہتا نہیں،
ایسے ہوتے ہیں بہت کم خوش نصیب و کامگار
جن کو مل جاتی ہے قسمت سے فضائے خوشگوار
ہاں کبھی کوشش کے اندھے تیر کر جاتے ہیں وار
بے زری کو ورنہ کب ملتا ہے زرداری میں بار
بھوک میں کچھ ضبط کی تلقین ہو سکتی نہیں،
ڈگریوں کو چاٹ کر تسکین ہو سکتی نہیں،

ماں کا رُتبہ

ارے گستاخ یہ ماں کا ستانا کس سے سیکھا ہے؟
دلِ فطرت پہ یہ چرکے لگانا کس سے سیکھا ہے؟
خبر بھی ہے تجھے رتبہ ہے کیا اس پاک ہستی کا؟
جو آنکھیں ہیں تو دیکھ اور درس لے الفت پرستی کا!
اِسی آغوش میں افسُردگی دل شاد ہوتی ہے
اِسی کُرسی پہ قصرِ عُمر کی بنیاد ہوتی ہے
اِسی آغوش میں ادراک کی تخلیق ہوتی ہے
خموشی کو یہیں گفتار کی توفیق ہوتی ہے

اسی آغوش میں جذبِ وفا بیدار ہوتا ہے
یہیں تمیز کا سادہ ورق گلکار ہوتا ہے
اسی آغوش میں کھلتی ہیں آنکھیں زندگانی کی
نکلتی ہیں یہیں سے شاہراہیں نوجوانی کی
اسی آغوش سے چلتا ہے چشمہ جاں نثاری کا
ملائک درس لیتے ہیں یہاں خدمتگذاری کا
اسی آغوش میں رہ کر عیاں ہوتی ہے خودداری
اسی آغوش میں پل کر جواں ہوتی ہے خودداری
یہ وہ آغوش ہے جس میں بہاریں مسکراتی ہیں
اُمنگیں رقص کرتی ہیں، امیدیں جگمگاتی ہیں

نوجوان دولہا سے

بپا ہے بزمِ تمدّن میں انقلاب نیا — نئی سحر کی جبیں پر ہے آفتاب نیا
نیا چمن ہے نیا باغباں نیا موسم — نئی شمیم، نئی تازگی، گلاب نیا
ہے جلوہ پاش امیدوں پہ اخترِ تقدیر — نیا ہے شوق، نیا ولولہ شباب نیا
ہے آج محفلِ عشرت میں اہتمامِ جدید — نئی فضا ہے، نیا زمزمہ، رباب نیا
معاشرت کا ہے رخ جلوۂ چمن کی طرف — کتابِ ہستئ انساں میں ہے یہ باب نیا

جبیبؔ آج ہر اک سانس انقلابی ہے
اثر تک اپنی دعاؤں کی باریابی ہے

اب اپنے نغمۂ نو سے چمن کو چونکا دے — روش روش پہ گل و یاسمن کو چونکا دے
جوان ہے تو جوانوں کو دے پیامِ جواں — اسیرِ ناز و ادا بانکپن کو چونکا دے

خبر سنا دے کہ اب صبح ہونے والی ہے غنودگی میں ہے کب سے وطن کو چونکا دے!
تجھے خدا نے دیئے ہیں معاون و انصار وفا سرشت اب اس انجمن کو چونکا دے!
حرم میں کر دے موذن کو خواب سے بیدار صنمکدے میں دل برہمن کو چونکا دے!

پکار دے کہ کہولت جہاں سے جاتی ہے
ہٹو کہ صرصرِ گردوں خرام آتی ہے

خبر بھی ہے تجھے اک فخرِ روزگار ہے تو! ہے برق جس سے پیدہ وہی شرارہ ہے تو
رواں ہے قافلہ تیرا ہلاکتوں کی طرف بھٹک رہا ہے مگر خضرِ رہگذار ہے تو
ہیں تیرے جذبۂ دل میں جلال تیں مستور بساطِ کفر کو اک برق شعلہ بار ہے تو
ہے تیرا سینہ امینِ سیاستِ شاہی گذشتہ تخت نشینوں کی یادگار ہے تو
ہر ایک گل کو سنا دے پیامِ آزادی ہے تیرا کام چمن پروری بہار ہے تو

اُفق پہ ظلمتِ باطل کو حق نما کر دے!
اس ابتدائے تخیّل کی انتہا کر دے!

انحرافِ بیجا

کشیدہ خاطری و انحرافِ بیجا سے — وقارِ شوق کو دلگیر کر دیا تو نے
مری نظر میں جو معصومیٔ محبّت تھی — اسے وفاؤں کی تعزیر کر دیا تو نے
ہوئی نہ تجھ سے مرے عشقِ پاک کی توقیر — خلوصِ روح کو تزویر کر دیا تو نے
وہ رازِ عشق و محبّت تو اک امانت تھا — زمانے بھر میں جو تشہیر کر دیا تو نے
فروغِ بزمِ طرب کا تھا کیا یہی انجام؟ — کہ زمزموں کو گلو گیر کر دیا تو نے
اُس آنکھ کو جو ترے حُسن کی فدائی تھی — فریب خوردۂ تنویر کر دیا تو نے
ہر اک نفس کو جو ممنونِ دلنوازی تھا — رفیقِ نالۂ شبگیر کر دیا تو نے
جنونِ شوق پہ مجھکو بڑا بھروسا تھا — مگر فسردۂ تقدیر کر دیا تو نے

مرا قرارِ محبّت مرا سکون و وفا   خوشی کے خواب کی تعبیر کر دیا تو نے

جیوں خدا کے کرم کی اُمید پر کب تک
حیات کو بھی قدم گیر کر دیا تو نے!

دستبرداری

یہ رنج ہے کہ تجھے اپنا کیوں خیال کیا
تری عوام نوازی کا غم نہیں مجھکو!
یہ تیری سطح کے انساں تجھے مُبارک ہوں
بس اب ضرورتِ لُطف و کرم نہیں مُجھکو!

سالِ نو

سالِ نَو آیا عجب انداز سے گاتا ہُوا،
پھول برساتا ہوا کلیوں کو چٹکاتا ہوا،
ذرّہ ذرّہ لیکے انگڑائی اُڑا سوئے فلک
مہرِ عالمتاب کے جلوؤں میں چکراتا ہوا،
عشق کی آنکھوں میں بس کر رہ گئے خوابِ جمیل
حُسن جاگا اپنی رعنائی پہ اِتراتا ہوا،
مائلِ تجدید ہے تزئینِ فطرت کا نظام،
گلشنوں کی روح ویرانوں میں دوڑاتا ہوا

جھوم کر ساقی اُٹھا تقسیمِ بادہ کے لئے
گُنگنا کر شیشہ و ساغر کو کھنکاتا ہوا

آ رہی ہے فصلِ گُل جَلوہ بہ جلوہ ضَو بہ ضَو
جھونکا جھونکا اُڑ رہا ہے زمزمے گاتا ہوا

نبضِ موسم میں ہے خونِ صد بہار و صد جمال
پرچمِ نور و ضیا، اٹھاّ ہے لہراتا ہوا

وقت کی تاریک تر راہوں کے غاروں کی طرف
ذہنِ انساں پھر رہا ہے شمع دکھلاتا ہوا

ہے کہیں لحظہ بہ لحظہ اہتمامِ ربط و ضبط
اور کہیں ہر ہر نفس بجلی سی چمکاتا ہوا،

کوئی چونکا ماتمِ عہدِ جوانی کے لئے
کوئی اٹھا دولتِ دُنیا پہ اِتراتا ہوا

ہے کوئی دو دوستوں کے ربط سے چیں بر جبیں
دل میں اک افسانۂ ماضی کو دُہراتا ہوا،

ہے کوئی رسم و رہِ دُنیا سے یوں مصروفِ غم
زندگی کو زندگی کہتا ہے شرماتا ہوا

ہیں کسی کی آرزوئیں اس قدر حرماں نصیب
لب پہ لفظِ آرزو آتا ہے تھرّاتا ہوا

ہائے اے احساںؔ کوئی زمزموں سے چونک کر
صُبحدم اُٹّھے گا ٹھنڈے اشک برساتا ہوا

چراغِ رہگذر

(ایک شادی پر)

مُبارک اے مصوّر[1] تجھ کو یہ شادی یہ گلباری
یہ رنگیں ساعتوں میں عہد و پیمانِ وفاداری
یہ جشنِ نوعروسی، یہ خوشی، یہ مجلس آرائی
یہ تقریبِ طرب، یہ بزمِ زیبائی و رعنائی
یہ سہرا، یہ نشانِ عشرت و راحت مُبارک ہو
یہ وقتِ گلفشاں، یہ شان یہ شوکت مبارک ہو
خدائے دو جہاں نخلِ تمنّا کو ثمر بخشے
عطا فرمائے تسکینِ جگر نورِ نظر بخشے

[1] پروفیسر صادق مصوّر

سمجھتا ہوں مناسب میں بھی کچھ اظہار کر دینا
کہ میں شاعر ہوں میرا فرض ہے بیدار کر دینا

تہِ دل سے ہوں میں اے دوست شادی کی حمایت میں!
نہ ہو شادی تو اک خامی ہے گویا آدمیّت میں

مگر ان ناخدایانِ تمدّن کو خدا سمجھے
سمجھنا چاہیئے تھا کیا انھیں لیکن یہ کیا سمجھے

ہے شادی اصل میں دو آشنا روحوں کی یکرنگی
معاشی زندگی میں ہم نوائی و ہم آہنگی

یہ راہِ زندگی میں شمعِ پُر انوار ہوتی ہے
جسے کہتے ہیں شادی عمر میں اک بار ہوتی ہے

جہاں محرم نہ ہوں روحیں وہاں شادی نہیں ہوتی
یہ جسمانی تجارت خانہ آبادی نہیں ہوتی

یہ ممکن ہے محبّت قالبِ شادی میں ڈھل جائے
شعارِ ضبطِ گریہ خندہ ایجادی میں ڈھل جائے
مگر شادی یہ ہر پہلو محبّت ہو یہ مشکل ہے
کہ دو ناآشنا روحوں میں رغبت ہو یہ مشکل ہے
یہ جبری سلسلہ کیف و طرب سے دُور ہوتا ہے
دماغِ زندگی میں دائمی ناسور ہوتا ہے
میں اس گونگی روش کو رسمِ صیّادی سمجھتا ہوں
جو دو دل ایک ہو جائیں اُسے شادی سمجھتا ہوں

پروگرام

احسان کا گلیوں میں نہ پوچھنے والے
کیا جانے وہ کس حالِ پریشاں میں ملیگا

مشرق سے اُبلتی ہوئی کرنوں کی ضیا میں
کھویا ہوا سیرِ چمنستاں میں ملیگا

جب شام کی محفل میں ہوں نو عمر ستارے
مصروفِ سخن بزمِ ادیباں میں ملیگا

ہنستی ہوئی راتوں میں گھنے سائے جدھر ہوں
فطرت کے جنوں خیز دبستاں میں ملیگا

جب روٹھ کے رخصت ہوں گلستاں سے بہاریں
نظارہ گہہِ زہرہ جبیناں میں ملیگا

تیریں گے نہ جب جھوٹے سماعت میں ترانے
ڈوبا ہوا اندوہِ فراواں میں ملیگا

گذرے ہوئے احباب کی یاد آئیگی جس وقت
قرآن بلب گورِ غریباں میں ملیگا

جب نیند کے طوفاں میں ہوں آنکھوں کے سفینے
بیدار ستاروں کے شبستاں میں ملیگا

اُس کُشتۂ آلام کا دیوانِ الم خیز
مزدور کے تاریک شبستاں میں ملیگا

مجبوری

عشق کی خام خیالی سے کنارا کرلوں
یعنی ٹھنڈا غمِ اُلفت کا شرارا کرلوں
میرے بس کی ہو اگر بات تو خالق ہے گواہ
زندگی بھر کو ترا ہجر گوارا کرلوں

غزلیات

غزلیات

پھر کوئی طُرفہ تماشہ جلوۂ جانانہ کر!
پھُول کو بُلبل بنا دے! شمع کو پروانہ کر!

بیخودی کی منزلوں میں بھی نہیں تکمیلِ کیف
تیز گامی اور بھی اے ہمّتِ مردانہ کر!

دیکھ لے مستی بھری آنکھوں سے اے مستِ شباب!
دل کے ہر گوشے میں پھر تعمیر اک میخانہ کر!

تیرہ اختر ہے تو پھر منّت کشِ اعدا نہ ہو
جھلملاتے آنسوؤں کو شمع ماتم خانہ کر!

دل کی بستی روز کیوں لُٹ کر بسے بس کر لُٹے!
یا اسے آباد کردے! یا اسے ویرانہ کر!

دوڑ ہی جائے گی شریانوں میں روحِ بیخودی
پیروِ پیرِ مغاں بن! خدمتِ میخانہ کر!

عاشقی ہے جلوہ نا آفریدہ کی تلاش
جستجو کو حُسنِ مصنوعات سے بیگانہ کر!

زندگی کیا موت جھک جائیگی سجدے کیلئے
آرزوؤں میں مذاقِ التجا پیدا نہ کر!

رہ چکی ہیں یہ کبھی احسانِ گلزارِ خلیل
ان نگاہوں کو خرابِ جلوۂ دُنیا نہ کر!

کانپتا ہے شام کے سینے میں سوزِ ناتمام
صبح کے دل میں خراشِ نالۂ شبگیر ہے

اُڑنے والی ہیں گریبانوں کی ہر سو دھجیاں
آج دیوانوں کے جمگھٹ میں تری تصویر ہے

کیا بتاؤں کون ہے، وہ یوسفِ بزمِ خیال
ہاں مگر اک دوست سے ملتی ہوئی تصویر ہے

یاس کا دھوکا ہے اب احساں ہر اُمید پر
میرا ہر دعویٰ ہلاکِ دشنۂ تقدیر ہے

وہ مجھے محوِ رنج و غم دیکھ کے مُسکرا دیا
عشق کو کیا اُمید تھی حسن نے کیا صِلہ دیا

فکرِ دوائے دردِ دل درد سے کم نہ تھی مگر
تونے بڑا کرم کیا درد جو لا دوا دیا

فطرتِ کشمکش پسند عشق کی سمت جب جھکی
ضبط الگ عطا کیا، ذوقِ جنوں جدا دیا

تابشِ زندگی کے ساتھ تیرگیاں بھی تھیں مگر
ڈال کے تونے عکسِ رُخ روح کو جگمگا دیا،

راز و نیازِ حُسن و عشق فطرتِ حُسن و عشق تھے
عشق سے مجھکو کیا ملا، حُسن نے مجھکو کیا دیا

حسرتِ بندگی مری حسرتِ بندگی رہی
دے کے حیاتِ عارضی تونے مجھے مٹا دیا

طبعِ خلش پسند کو شکرِ بتاں بھی فرض ہے
تونے تو اک جہانِ غم مجھ کو مرے خدا دیا!

حُسن کی یہ نوازشیں عشق کے دل پہ نقش ہیں
بھول کے یاد کرلیا، یاد کیا بھلا دیا

عشق ہے عاقبت نگر عشق کی حکمتیں نہ پوچھ
اب غمِ انتہا نہیں، وہ غمِ ابتدا دیا،

ہم سے اُلفت جتائی جاتی ہے / بیقراری بڑھائی جاتی ہے

دیکھ کر اُن کے لب پہ خندۂ نور / نیند سی غم کو آئی جاتی ہے

غمِ اُلفت کے کارخانے میں / زندگی جگمگائی جاتی ہے

اُن کی چشمِ کرم پہ ناز نہ کر! / یوں بھی ہستی مٹائی جاتی ہے

بزم میں دیکھ رنگ آمدِ دوست / روشنی تھرتھرائی جاتی ہے

دیکھ اے دل وہ اُٹھ رہی ہے نقاب / اب نظر آزمائی جاتی ہے

اُن کے جاتے ہی کیا ہوا دل کو / شمع سی جھلملائی جاتی ہے

تیری ہر ایک بات میں احسانؔ
اک نئی بات پائی جاتی ہے

میں کیا ہوں تیری بزمِ تخیل کی رُوداد
دل کیا ہے کچھ نہیں مگر ایوانِ آرزو

ہے دل میں اُن کی یاد زباں پر ہے اُن کا نام
اور دستِ اضطراب میں دامانِ آرزو

دُنیا سے بے نیاز ہوں عقبیٰ سے بے خبر
روشن ہے بیخودی سے شبستانِ آرزو

بیٹھا ہوں دل میں درد کی دُنیا لئے ہوئے
ہے پنجۂ خرد میں گریبانِ آرزو

طے کر رہا ہوں جوشِ تجسّس میں راہِ عُمر
احسان میرے سر پہ ہے احسانِ آرزو

وہ سو کر اُٹھ رہے ہیں اللہ اللہ کیا نظارا ہے
قیامت نے ابھی کروٹ بدل کر سر اُبھارا ہے

جوانی نے اسے اس خوش مذاقی سے سنوارا ہے
نہ عرضِ شوق کی جرأت، نہ ضبطِ غم کا یارا ہے
سحر ہوتے ہی وہ اس طرح شرما کر سدھارا ہے
کہ مجھکو عمر بھر اب رنجِ محرومی گوارا ہے
یہ استقبال دیوانوں میں ہی فصلِ بہاری کا
کہ دامن پُرزے پُرزے ہے گریباں پارا پارا ہے
کہاں صحرا نوردی اور کہاں دیدار کی حسرت
مری دیوانگی تیرے تغافل کا اشارا ہے
کہاں جاتے ہو ٹھہرو! آخری اک بات تو سُن لو!
"مجھے اس زندگی سے موت کی تلخی گوارا ہے"
معطّر سانس، چہرہ رشکِ گُل، مستی بھری آنکھیں
جوانی ہے کہ اک سیلابِ رنگ و بو کا دھارا ہے

تمھاری یاد ہے میری کتابِ غم کا دیباچہ
خدا رکھے یہی ٹوٹے ہوئے دل کا سہارا ہے

ستم کو کیا ستم سمجھوں جفا کو کیا جفا جانوں؟
وہی جورِ آشنا جب زندگانی کا سہارا ہے

مری مایوسیوں میں جل اٹھیں شمعیں امیدوں کی
یہ کس افسوں نوا نے بزمِ انجم سے پکارا ہے؟

ہوا مغموم، منظر مضمحل، ماحول افسردہ
مجھے اے ناخدا کس گھاٹ تو نے لا اتارا ہے؟

وفا کی آرزو لغزش ہے اک خوش اعتقادی کی
مجھے احسان اکثر دوستوں نے مِل کے مارا ہے

آئینِ محبّت میں ہے جرمِ فغاں کوشی
فریاد کو رہنے دے لذّتکشِ خاموشی

وہ چشمِ فسوں پرور، اور حکمِ زباں بندی
ڈر ہے نہ چھلک جائے پیمانۂ خاموشی

مہتاب کے جلوؤں میں اُف سوئی ہوئی کلیاں
آغوشِ گلستاں ہے تصویرِ ہم آغوشی

سوزِ غمِ ہستی کو مانوسِ تمنّا کر
شاید غمِ ہستی سے حاصل ہو سبکدوشی

جلوؤں سے ترے روشن قندیلِ تخیّل ہے
احساں سے کب ہوگی احسان فراموشی

کچھ احتیاطِ حسن و نزاکت بھی چاہیئے
آؤ نہ تم حریمِ دلِ پائمال میں!

وہ عشق خاک عشق ہے، وہ حسن خاک حسن؟
جو قید ہو فسانۂ ہجر و وصال میں

خوں ہو رہے ہیں قلب و جگر گھٹ رہا ہے دم
ہے صبحِ کربلا مری شامِ ملال میں،

ہو سوئے آسماں جو دعا کے لئے بلند
یہ پستیاں کہاں مرے دستِ سوال میں

اب میری بزمِ شوق ہے واماندۂ فشار
کب تک چھپے رہو گے حریمِ جمال میں

ہر ہر نفس پہ ہے مجھے اک انکشافِ نو
ہے روحِ جامِ جسم مرے جامِ سفال میں

وفورِ درد سے دم بھر نہیں قرار مجھے
یہ دی ہے عشق نے اک طُرفہ یادگار مجھے

ہزار مجھ کو چھپا لاکھ مجھ پہ پردے ڈال
اسی نقاب سے ہونا ہے آشکار مجھے!

خزاں کو دے مرے گلزار کے لئے تکلیف
ہے یہ بہار کا ہنگامہ ناگوار مجھے

ستم، کہ یہ ہے مرے جبر و اختیار کا حال
نہیں ہے جبر سی شئے پر بھی اختیار مجھے

ترے حجاب کے صدقے، حجاب کا صدقہ
پکار! ہر ورقِ گُل سے پھر پکار مجھے!

گلوں کی آڑ میں کانٹوں کی ہے نظر مجھ پر
خزاں نے تاک لیا ہے پسِ بہار مجھے

بڑا کرم ہے کہ بخشا ہے اک دلِ بیتاب
مگر گھٹا کے جنوں کر نہ شرمسار مجھے

کہیں فریبِ نظر ہے، کہیں فریبِ خیال
نہیں طلسمِ دو عالم پہ اعتبار مجھے

دلِ حزیں تری گہرائیوں میں پچھلی رات
پکارتا تھا مرا کون غمگسار مجھے

وہ دل پہ چھایا ہے احساں یاس کا عالم
صدائے سازِ طرب بھی ہے ناگوار مجھے

بھریں کیونکر نہ دم پھر ساکنانِ گلستاں میرا
کہ ہے بے مثل گلشن بھر میں اندازِ بیاں میرا

مِرا ناقوسِ ہستی کے شوالے کے نہیں قابل
فنا میری بقا ہے، بے نشانی ہے نشاں میرا

سنبھل اے تیز گامی! اب تو دل بیٹھا سا جاتا ہے
مری منزل سے شاید بڑھ گیا ہے کارواں میرا

رسائی کب مرے گلشن میں ہے صیّاد و گلچیں کی
میں وہ بلبل ہوں شاخِ برق پر ہے آشیاں میرا

درِ پیرِ مغاں سے اُٹھ کے جاؤں تو کہاں جاؤں
ہوا ہے گم یہیں اندیشۂ سود و زیاں میرا

یہ مانا قابلِ سجدہ ہے بتخانہ بھی کعبہ بھی
مگر فرصت بھی دے میری جبیں کو آستاں میرا

چل یونہی مجھے اے دلِ دیوانہ لئے چل!
گلشن نہ سہی جانبِ ویرانہ لئے چل!

ہر ذرّہ نظر آئے گا قندیلِ تجلّی
ہاں شوقِ تلاشِ رہِ جانانہ لئے چل!

آنکھوں میں رہیں اشک تصوّر میں رُخِ دوست
غمخانے میں پوشیدہ طرب خانہ لئے چل!

ہر نقشِ کفِ پا کو جبیں چومتی جائے!
رفتار میں وہ لغزشِ مستانہ لئے چل!

افسانۂ اُلفت نہ سُنا بزمِ جہاں میں!
یہ غمِ صفتِ سوزشِ پروانہ لئے چل!

وہ پوچھ رہے ہیں تو نہ کر قصّۂ غم ختم
اس درد کو افسانہ در افسانہ لئے چل!

مرے مٹانے کی تدبیر تھی حجاب نہ تھا
وگرنہ کون سے دن حسن بے نقاب نہ تھا

اگرچہ ناز کش ساغر شراب نہ تھا
خمار خانے میں مجھ سا کوئی خراب نہ تھا

کھلا طلسم تمنّا تو کھل گیا یہ بھی
کہ اک فریب نظر تھا ترا شباب نہ تھا

خیالِ دوست تری جلوہ تابیوں کی قسم
جو تو نہ تھا مری دنیا میں آفتاب نہ تھا

ترے فراق کی راتیں تھیں اس قدر مغموم
کہ داغِ خاطرِ محزوں تھا ماہتاب نہ تھا

برا ہو نالۂ پیہم کا کچھ دنوں پہلے
خموش رات کے دل میں یہ پیچ و تاب نہ تھا

نگاہ ملتے ہی غش کھا کے گر پڑیں نظریں
تھی ایک برقِ متشکّل ترا شباب نہ تھا

ازل کے دن سے ہیں ہم مستِ جلوۂ ساقی
ہمارے سامنے کس روز آفتاب نہ تھا

کچھ اپنے سازِ نفس کی نہ قدر کی تو نے
کہ اس رباب سے بہتر کوئی رباب نہ تھا

دلِ خراب کا احسان اب خدا حافظ
خراب تھا مگر ایسا کبھی خراب نہ تھا

جفائے حُسن کے جوشِ فراواں کی ضرورت ہے
مجھے اے زندگی مرنے کے ساماں کی ضرورت ہے

خیالِ وضعِ استغنا کو چھوڑو اور ادھر دیکھو!
ضرورت ہے مجھے اک دشمنِ جاں کی ضرورت ہے!

نشاطِ آرزو کی انتہا ہے کیفِ محرومی
مجھے اب کیا غمِ عمرِ گریزاں کی ضرورت ہے

طبیعت میں سکوں ہے آنسوؤں میں سست رفتاری
جنونِ عشق کو پھر جیب و داماں کی ضرورت ہے

ستاروں کی نظر سے مجھ کو چھپ کر دیکھنے والے
مری شبہائے غم کو صبحِ خنداں کی ضرورت ہے

قدم گیرِ فلک ہو جس کا ہر اندازِ بیتابی
مرے خرمن کو اس برقِ خراماں کی ضرورت ہے

لیکے اک افسانۂ ماضی کی یاد پھر وہی کالی گھٹائیں آگئیں

کیا کرو گے اے وفادارو اگر بے وفاؤں کو وفائیں آگئیں

گرم آہوں کو جگانے کیلئے آگئیں ٹھنڈی ہوائیں آگئیں

پھر مری خودداریاں ہیں سرنگوں پھر مرے لب پر دعائیں آگئیں

مورِدِ الزام جب کوئی ہوا
مجھ کو یاد اپنی خطائیں آگئیں

توبہ کی نازشوں پہ ستم ڈھا کے پی گیا
"پی!" اُس نے جب کہا تو میں گھبرا کے پی گیا

دل ہی تو ہے اٹھائے کہاں تک غم و الم
میں روز کے ملال سے اُکتا کے پی گیا

تھیں لاکھ گرچہ محشر و مرقد کی اُلجھنیں
گتھی کو ضبطِ شوق کی سُلجھا کے پی گیا

میخانۂ بہار میں مدّت کا تشنہ لب
ساقی خطا معاف! خطا کھا کے پی گیا!

نیّت نہیں خراب، نہ عادی ہوں اے ندیم!
"آلامِ روزگار سے تنگ آ گے پی گیا"

ساقی کے حُسن دیدۂ میگوں کے سامنے،
میں جلوۂ بہشت کو ٹھکرا کے پی گیا!

اُٹھّا جو ابر دل کی امنگیں چمک اُٹھیں
لہرائیں بجلیاں تو میں لہرا کے پی گیا!

دل کچھ ثبوتِ حفظِ شریعت نہ دے سکا
ساقی کے لُطفِ خاص پہ اترا کے پی گیا!

نہیں ایک تم ہی شہیدِ تجسّس
غبارِ رہِ کارواں اور بھی ہیں!

کھُلیں گے نہ انساں سے اسرارِ فطرت — کہ اس بزم کے راز داں اور بھی ہیں!
چل اس گلشنِ صاعقہ آشنا سے — چمن قابلِ آشیاں اور بھی ہیں!
نہیں ماہ و انجم ہی تک تیری منزل — ابھی سیکڑوں آسماں اور بھی ہیں!
اٹھانا ہے گر آستاں سے اٹھا دے — جبیں چاہیئے آستاں اور بھی ہیں!
یہ آنسو، یہ نالے، یہ فریاد کیسی؟ — کہ اندازِ آہ و فغاں اور بھی ہیں!
نہیں طُور تک ہی فروغِ تجلّی — کلیم اور بھی امتحاں اور بھی ہیں!
لگائی ہوئی اب مری کیا بجھے گی! — کہ آتش نفس نوجواں اور بھی ہیں!

مجھے اپنے مرنے کا احسان کیا غم،
خدا ہے تو اُس کے جہاں اور بھی ہیں!

ہنگامۂ خودی سے تو بے نیاز ہو جا — گم ہو کے بیخودی میں آگاہِ راز ہو جا
حد بھی تو چاہیئے کچھ بے اعتنائیوں کی — غارتگرِ تحمّل تسکیں نواز ہو جا

اے سرمدی ترانے ہر شے میں سوز بھر دے! یہ کس نے کہدیا ہے پابند ساز ہو جا!

غیرت کی چلمنوں سے آواز آ رہی ہے محوِ نیاز مندی آ بے نیاز ہو جا!

آ مل کے پھر بنائیں میخانۂ محبت میں جرعہ کش بنوں تو پیمانہ ساز ہو جا!

سینے میں سوز بن کر کب تک چھپا رہے گا عنوانِ رازداری تفصیلِ راز ہو جا!

اب سو چکی امیدیں اب تھک چکیں نگاہیں جانِ نیاز مندی مصروفِ ناز ہو جا!

سوزِ نظر سے چھلکیں نغماتِ رازِ ہستی اے عقدۂ تغافل، رودادِ ناز ہو جا!

احسان کاش اٹھیں یہ رنگ و بو کے پردے

اے محفلِ حقیقت بزمِ مجاز ہو جا

غم میں اک اک سانس رودادِ جہانِ درد ہے

خاکدانِ دل ہے کیا اک آسمانِ درد ہے

عِشق نے افسانہ چھاپا ہے جبینِ حُسن پر
ان کی خاموشی سراپا ترجمانِ درد ہے

میہماں کی طرح ہوتا ہے مسرّت کا مقام
ورنہ دل تو سربسر اک آستانِ درد ہے

سننے والے! نغمۂ عشرت جگرداری سے سن!
فی الحقیقت یہ ترانہ داستانِ درد ہے

دوستوں سے اور وفا کی آرزو؟ اے بے خبر
تیری امیدوں کے پیچھے کاروانِ درد ہے!

جانتے ہیں اہلِ دل احسانؔ رونے کا سبب
غمزدوں کی بزم میں رائج زبانِ درد ہے

تیرے بیمارِ الم سے تنگ آجاتی ہے شمع
سردِ آہوں کے تھپیڑے رات بھر کھاتی ہے شمع

ہے اگر راتوں کو وہ زینت فروزِ انجمن
صبحدم تصویرِ مایوسی بھی بن جاتی ہے شمع

بر ربطِ غم چھیڑتا ہے جب دلِ حرماں نصیب
وجد کرتے ہیں پتنگے راگنی گاتی ہے شمع

یہ تو مانا رات بھر رہتی ہے وقفِ سوز و ساز
صبح کی ٹھنڈی ہوا لگتے ہی سو جاتی ہے شمع

ہائے اے احسان اک بیکس کی تربت کا سماں،
رات کو پچھلے پہر جب اشک برساتی ہے شمع

وصل کا نام ہے دوریِ غمِ جاناں کی قسم،
خندۂ غم کی قسم، گریۂ خنداں کی قسم،

دل میں آجا کبھی تجدیدِ تجلّی کے لئے
تجھ کو اپنی نگہِ برق بداماں کی قسم،

تیرے نغموں سے ہے آباد خموشی میری
صبحِ رفتہ کی قسم، شامِ غریباں کی قسم

میں نے رو رو کے گذاری ہیں سہانی راتیں
بزمِ انجم کی قسم، ماہِ درخشاں کی قسم،

تیرے جلوؤں سے منوّر ہے مری بزمِ اُمید
ضبطِ الفت کی قسم، سوزشِ پنہاں کی قسم

نیند آنکھوں سے بہی جاتی ہے آنسو بن کر
منزلِ شوق کے بیدار شبستاں کی قسم

ناخنِ ضبط نے کھولا ہے معمائے وصال
ضبط پھر ضبط ہے شامِ غمِ ہجراں کی قسم
کچھ مقام ایسے بھی آئے ہیں نہ منزل تھی نہ ہیں
اپنی حیرت کی قسم، طوفِ بیاباں کی قسم
جان قالب سے نکل جائے گی الفاظ کے ساتھ
حال مت پوچھ حدیثِ غمِ جاناں کی قسم

حُسن میں بھی ہیں عشق کے انداز
ورنہ محمود اور غلام ایاز؟

بُت پرستی ہو یا طریقِ نماز
سب شکستِ خودی کے ہیں انداز

اب اُٹھا دے نظر سے پردۂ راز
مدّتوں سے ہے دل خرابِ مجاز

میری ہر سانس ہو ترانۂ حمد!
میری ہر جنبشِ نظر ہو نماز

موت اور اِس قدر فراموشی؟
زندگی اور اُس پہ اتنا ناز

خواب ہے یا کوئی سرابِ نظر
ورنہ میں اور ان کا جلوہ ناز؟

گاہے گاہے سحر کو سنتا ہوں،
اپنی آواز میں تری آواز!

ہے ترے آستاں پہ خاک بسر
حبذا قسمتِ جبینِ نیاز!

آج نرغے میں ہے جہانِ نظر
رحم کر رحم اے خدائے مجاز!

میں ہوں تیرا مجھے ہو ناز نہ کیوں
آئینہ ہے ثبوتِ آئینہ ساز

لئے جاتا ہے کس جگہ مجھ کو
توسنِ عمر آسماں پرواز!

ایک دنیائے راز میں گم ہوں
حسن بھی راز عشق بھی اک راز

اب میں احسانؔ سب سمجھتا ہوں
دل کے تیور نگاہ کے انداز

کوئی نہیں شریکِ غمِ روزگار آ!
دشمن بنا ہوا ہے ہر اک غمگسار آ!

بے اعتنائیوں کی کوئی حد بھی چاہیئے
اب بارِ شوق ہے ستمِ انتظار آ!

اشکوں میں بہہ رہے ہیں فسانے بہار کے
قابو میں اب نہیں ہے دلِ بیقرار آ!

ڈر ہے کہ ہو نہ جائے غرورِ جنوں شکست
اے چارہ کارِ گردشِ لیل و نہار آ!

آ مِل کے کائناتِ چمن کو جواں کریں
ہیں ابر بن کے چھاؤں تو بن کر بہار آ!

شامِ الم سوادِ جہنم سے کم نہیں
لیکر پیامِ خندۂ صبحِ بہار آ!

رقصاں ہے ہر کلی کے لبوں پر فسونِ کیف
ہر شاخِ گل پہ جھول رہی ہے بہار آ!

تو کیا سمجھے گا اے واعظ رموزِ پیرِ میخانہ
کہ ہے سازِ نظر میں نغمۂ تفسیرِ میخانہ
گھٹا اٹھّی ہے بھر کر جام دے اے میرِ میخانہ
دکھا دے ذرّے ذرّے میں مجھے تصویرِ میخانہ
ہوائیں مست ہو جاتی ہیں دنیا وجد کرتی ہے
فرشتے کھولتے ہیں جس گھڑی زنجیرِ میخانہ
بیانِ کوثر و تسنیم اللہ اللہ اے واعظ
مری آنکھوں میں تو نے کھینچ دی تصویرِ میخانہ
کئے مستی میں سجدے میکشوں نے پائے ساقی پر
صدائے قلقلِ مینا ہوئی تکبیرِ میخانہ!
گھٹا احسانؔ آئی اور آ کر اس طرح اُتری
نظر میں جھلملاتی رہ گئی تصویرِ میخانہ؟

میں وہ کانٹا ہوں اس باغِ جہاں میں،
ہیں چرچے جس کے بزمِ باغباں میں،
تمہارا لُطف ہے وہ طرزِ بیداد،
نہیں ہے جو دماغِ آسماں میں،
مجھے احساسِ قیدِ بال و پر ہے
قفس رکھتا ہوں گو یا آشیاں میں؟

تمام شُد

خضرِ عروض (از حضرت احسان دانش ناظم "انجمن تعمیرِ ادب" مزنگ - لاہور)

یہ کتاب علم عروض کی ان الجھنوں اور پیچیدگیوں کا حل ہے جن میں مبتدیانِ شاعری بھٹکتے رہتے ہیں۔ اس میں فنِ عروض کے نکات کو ایسے سلیس اور عام فہم انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ ایک سرسری مطالعہ سے ہی ہر انسان مشکل سے مشکل بحر کی تقطیع کر لیتا ہے۔ قیمت صرف آٹھ آنے

پتہ:- مکتبۂ دانش - مزنگ - لاہور

تفصیلِ غالبؔ

سلیس اور عام فہم زبان میں مکمل دیوان غالبؔ کی شرح

جناب احسان دانش نے اس شرح میں ہر شعر کا مطلب اس تفصیل اور انوکھے پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ صرف ایک بار پڑھ لینے سے مفہوم و معانی دل پر نقش ہو جاتے ہیں اور کوئی الجھن باقی نہیں رہتی۔ اس کے مطالعہ سے یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ اردو کا پیچیدہ سے پیچیدہ شعر اپنا مطلب خود بیان کر رہا ہے۔

کالجوں کے طلبہ کیلئے یہ شرح چراغ رہگذر سے کم نہیں۔

قیمت صرف سوا روپیہ

پتہ } مکتبۂ دانش، مزنگ لاہور

فہرست کتب مکتبۂ "دانش" مزنگ لاہور

تاریخی

تاریخ فلسفہ اسلام ۔ مترجمہ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم ۔ اے ۔ پی ۔ ایچ ۔ ڈی قیمت عمار

تاریخ الامت ۔ از مولانا اسلم جیراجپوری ... ... " ۱۲/عہ

تاریخ ہند قدیم ۔ از مسٹر کے ایم پانیکار مترجمہ مولانا نیاز فتحپوری ... " ۸/

سیرۃ نبوی اور مستشرقین ۔ از ڈاکٹر عبد العلیم صاحب پی ۔ ایچ ۔ ڈی ... " عہ

عربوں کا تمدن ۔ از سید نذیر نیازی بی ۔ اے ... ... " عا

تاریخ مغربی یورپ ۔ از مولوی محمد یحیٰی صاحب تنہا بی ۔ اے ... " عا

المدنیۃ والاسلام ۔ مترجمہ رشید احمد انصاری ... ... " عا

تذکرہ بابر ۔ از مولوی حبیب الرحمٰن صاحب شروانی ... ... " ۶/

سلاطین وقائدین اسلام ۔ از مولانا یوسف بخاری ... ... " عہ

غدر ۱۸۵۷ء کا دوسرا رخ ۔ از چودھری حسام الدین صاحب بی ۔ اے " عہ

دولت غزنویہ از مولانا محمود الرحمان ندوی ... " عا

فلسفہ تاریخ ۔ از شیخ غلام محمد ایم ۔ اے ایم ۔ او ایل ... " ۸/عہ

حاجی بابا اصفہانی۔ ۲ حصہ۔ از مولانا جور نجیب آبادی ۲ عہ
تاریخ زوال روما۔ از سید مطلب حسین بی اے ... ۴ عہ
حجاج بن یوسف۔ از سید ظہور احمد ... ۴ عہ
محمد بیرم خاں ترکمان از کوثر چاند پوری عہ
قاموس المشاہیر۔ مرتبہ نظامی پریس بدایوں عہ
نور جہاں۔ از سید احمد کاظمی مسلم یونیورسٹی ۴ر
حالات جہانگیر۔ از معشوق حسین خاں علیگ ۸ر
حیات ناصر الدین شاہ ایران از عبد العلی عہ
چاریار از مجیبی قیمت عہ

المامون۔ از مولانا شبلی نعمانی قیمت ۸عہ
فتح قسطنطنیہ۔ از بدر الدین احمد بی اے ۴عہ
انقلاب فرانس۔ از باری علیگ ۱۲ر
کمپنی کی حکومت۔ ″ ۸عہ
اورنگ زیب پر ایک نظر از علامہ شبلی نعمانی ۸ر
تاریخ یونان قدیم۔ از ہاشمی فرید آبادی ۸عہ
تاریخ مغرب۔ از محمد جمیل الرحمن ایم اے ۸عہ
حیات خسرو از مولانا شبلی ... ۸ر
مہاتما رسکن از آنند بی۔ اے ... ۴ر

لغات

قاموس الاغلاط۔ از مولانا سید مختار احمد و مولانا ذہین ... ... ۳ روپے
قران السعدین از راجہ راجیشور راؤ اصغر ... ... ۸ روپے
مجمع الفاظ۔ ″ ۸عہ
القاموس الجدید۔ ″ ۸عہ
فرہنگ فارسی جدید۔ ″ ۸عہ

ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ دانش مزنگ لاہور

ادب و تنقید

مسلمانوں کی آئندہ تعلیم - از مولانا سلیمان ندوی ۵ر

ضبط نفس اور نفس پرستی - ترجمہ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب قیمت ۱۲ر

ارباب نثر اردو - از مولوی سید محمد ایم - اے ... عہ

اردو میں ڈرامہ نگاری از سید بادشاہ حسین عہ

اسالیب بیان اردو - از ڈاکٹر محی الدین زور ایم - اے - پی - ایچ - ڈی ۸عہ

ورڈزورتھ کی شاعری - میر حسن ایم اے ۸عہ

روح نظم - از مولانا تاجور نجیب آبادی ۱۴ر

کائنات از ولی الرحمن ایم - اے عہ

عام فہم عروض - از منظر صدیقی قیمت عہ

خدا کی بادشاہت از پرنس سعید حلیم وزیر ترکی مترجمہ ہاشمی فرید آبادی ۱۲ر

لیلیٰ کے خطوط و روزنامچہ از قاضی عبدالغفار ۸عہ

سرگذشت الفاظ از مولوی احمد دین عہ

مقالات شبلی - از مولانا شبلی رح ۸عہ

صلاح کار - از چودھری محمد علی صاحب ... ۸ر

جدید اردو شاعری - از ڈاکٹر محی الدین زور پی - ایچ - ڈی قیمت ۳ر

مقدمات عبدالحق - از مولانا عبدالحق بی - اے ۵ر

تنقیدات عبدالحق - " " ۸عہ

ٹیگور اور اس کی شاعری - از سردار علی ۸عہ

داغ - از نور اللہ نوری ... ۸عہ

مطائبات از سند باد جہازی ... عہ

الدین - از جسٹس کرامت حسین الہ آباد عہ

خرافات عزیز - از مرزا یاس یگانہ ۸ر

چراغ سخن - " " ۸عہ

اقبال - از مولوی احمد دین صاحب عہ

شعر العجم - مولانا شبلی مرحوم ۵ر

خضر عروض - از احسان دانش ۸ر

گہوارہ تمدن از مولانا نیاز فتحپوری عہ

داستان عجم - از نواب نصیر حسین خیال عظیم آبادی عہ

فکر بلیغ - از حضرت شاد عظیم آبادی عہ ر

طرۂ امیر - از امیر احمد علوی بی اے ... عہ ر

تین شاعر - از سید محی الدین قادری زور
ایم - اے - پی - ایچ - ڈی عہ ر

اردوئے قدیم - از حکیم شمس اللہ قادری ۸ر

مکاتیب امیر مینائی - از پروفیسر مولوی
احسن اللہ صاحب ثاقب ۸ر

مشاطۂ سخن - اول از صفدر مرزاپوری عہ ر

مشاطۂ سخن - ″ ″ عاہ

اقبال کا شاعرانہ زوال - از جناب سید
گوشہ نشین ... عہ ر

شرح کلام غالب از مولانا عبد الباری آسی سے ر

یادگار انیس - از مولوی امیر احمد علوی عاہ

اعظم الاخلاق - جناب حبیب احمد صاحب ۸ہ

مآثر الکرام - از علامہ بلگرامی ۳ ہے

ہندوستانی لسانیات - از ڈاکٹر سید محی الدین
قادری زور ایم - اے عاہ

خطوط سرسید مرتبہ راس مسعود صاحب سے ر

افراد کا سبہ از جسٹس کرامت حسین ۸ر

تہذیب عمل - از نسیم رضوانی ... ۶ر

مرقع ادب - از جناب صفدر
مرزاپوری ... ۸ہ

منظومات

شعرستان - از محمود اعظم صاحب ۸ہ

انتخاب حسرت - از جلیل احمد قدوائی ۸ر

صورت تغزل از نظم طباطبائی ... عاہ

انتخاب سودا - از ابو محمد صاحب ثاقب کانپوری ۸ر

انتخاب میر - ″ ″ ۸ر

عشق و محبت - از تاج قیمت عاہ

جواہر کلیات نظیر اکبرآبادی - از سید غلام مصطفٰے صاحب ۸ہ

تصویر افکار - از محمد سردار علی صاحب ۸ر

بہار جاوداں - از ولی وارثی وخان صابر خلیلی ... عمر

شاہد معنی - از ماسٹر باسط بسوانی عہ ر

نقش دوام - از عدم ... عا ر

قصائد عزیز - از جناب عزیز لکھنوی ۳ے

گلکدہ - " عمر

مادر ہند - از شاد عظیم آبادی " ۱۲ر

گلزار داغ - از نواب مرزا خاں داغ دہلوی عمر

گہرستان - از شوکت تھانوی عمر

آہنگ رزم - از وقار انبالوی ۸ر

متاع درد - از ثاقب کانپوری عا ر

فغان آرزو - از آرزو لکھنوی عا ر

من کی بانسری - از جناب امیر ... عمر

درد زندگی - از احسان دانش کاندھلوی عا ر

نوائے کارگر - " " عا ر

چراغاں - " " عمر

آتش خاموش - " " عہ ر

نفیر فطرت " " عہ ر

جادۂ نو - " " ۸ر

تفصیل غالب - " " عمر

روح نغمہ - از جناب اختر انصاری ۱۲ر

روح جذبات - از پروفیسر اکبر حیدری عہ ر

صبوحی - از ساغر نظامی ... عہ

جذبات بھاشا - از نیاز فتحپوری عہ ر

ہزلیات عاشق - از عاشق جالندھری ۶ر

خمکدہ خیام - از آغا شاعر قزلباش ۳ے ر

افسانے

دلچسپ افسانے - از کوثر چاندپوری عہ ر

موناوانا - از جلیل احمد قدوائی - عمر

چینی جاپانی افسانے - از محمد افتخار الدین و خواجہ معین الدین ۹ر

کامیاب افسانے - از وزارت انصاری نیاز فتحپوری - مجنوں گورکھپوری عہ

لاشوں کا شہر - از مسز عبد القادر ۸عہ

انقلابی افسانے - از گوپال متل بی-اے عہ

نگارستان - از نیاز فتحپوری عا ر

دلگداز افسانے - از کوثر چاندپوری عہ

کیفستان - از پروفیسر اکبر حیدری ۱ہر

شادی - از ملا رموزی قیمت عا ر

شہاب کی سرگذشت از مولانا نیاز فتحپوری ... عہ

تین پیسے کی چھوکری - از قاضی عبد الغفار عہ

چاند کا گناہ - راجہ مہدی علی خاں عگر

کیفستان - قیسی رامپوری عہ

بس کا روگ از فدا علی خاں عہ

انگریزی افسانے - از محمد محی الدین ۱ہر

معاشقہ پنولین - از تمکین کاظمی و عبد المنعم صاحب سعیدی عہ

اندھی دنیا - از نسیم رضوانی ... ۸ر

اسیر قفس - از مولوی بدر الدین ۱ہر

انوکھی راتیں - سید محمد حسن علیگ عا ر

سیلاب تبسم - از شوکت تھانوی عا ر

موج تبسم - " عا ر

طوفان تبسم - " عا ر

صبح لطافت از ملا رموزی عا ر

کہکشاں - از ساغر نظامی عا ر

سیب کا درخت - از قاضی عبد الغفار ۱۲ر

دنیا کی حور - کوثر چاندپوری ۱۰ر

قاتل و دیگر افسانے - از ایم-اسلم عا ر

مادر ہند - از خالد کے-بیگ ۸عہ

من کی موج - از سدرشن ۱۲ر

ملنے کا پتہ:- مکتبۂ دانش مزنگ لاہور

فلسفہ و متفرقات

عالم حیوانی۔ از برجیس بہادر ... ... قیمت ۶؍ ۱۲؍
آیاتِ بیّنات۔ از جناب نواب مہدی علی خاں بہادر " ۸؍
نفسیاتِ مذہب۔ از جناب وہاج الدین صاحب بی اے " ۵؍
قانون بین الممالک و دیگر نظریئے۔ از پروفیسر حمید اللہ ایم۔ اے ۴؍ عہ
فلسفہ برگسان۔ از میر حسن الدین بی۔ اے ... قیمت .. عہ
فلسفہ عجم۔ از ڈاکٹر سر محمد اقبال مترجمہ میر حسن الدین بی۔ اے ۸؍ عا
فلسفہ محبّت۔ از عیش قیمت .. .. عہ
نفسیاتِ خواب۔ از ولی الرحمٰن صاحب بی۔ اے .. .. عہ
کسان اور اس کے افلاس کے اسباب۔ از چودھری مختار سنگھ صاحب
مترجمہ محمود علی جامعی ... قیمت ... ۸؍ عہ

فرمائش خریداری کے وقت حسب ذیل باتوں کا لحاظ رکھنا چاہئیے!

۱۔ اپنا نام و پتہ (مکمل) بہت صاف اردو میں اور ڈاکخانہ کا نام انگریزی میں لکھئے۔

۲۔ اگر زیادہ کتابوں کی فرمائش ہو تو کچھ رقم (بقدر چوتھائی) پیشگی بھیجیے اور اپنے قریب ترین ریلوے اسٹیشن کا نام بھی لکھئے تاکہ پارسل بذریعہ ریل بھیجا جائے اور آپکو محصول میں کفایت ہو۔

۳۔ محصول ڈاک و ریل ہر حالت میں ذمہ خریدار ہوگا۔

اردو ادب میں گرانقدر اضافہ

کون ہے جو ہندوستان کے شاعر مزدور احسانؔ دانش کے نام سے واقف نہیں ملک کا ہر صاحب ذوق اس کی شاعرانہ عظمت کا معترف ہے۔ اس کی شاعری کا مقصد تفنّنِ طبع نہیں بلکہ وہ ہندوستانی مزدوروں، کسانوں اور دیگر ستم رسیدہ لوگوں کو خواب غفلت سے جگانے کے لئے حریت کی بلندیوں سے آواز دیتا ہے۔

وہ عصر حاضر کی تاجرانہ ذہنیت اور سفاکانہ روش کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اس کی غیرت احساس ان اُلجھے ہوئے کہنہ لیل و نہار کی اور زیادہ دیر تک تاب نہیں لا سکتی اور وہ اپنے اسرافیلی نغمات سے بے حسی کی نیند کے ماتے مزدوروں میں غیرت و خودشناسی کی روح پھونک دیتا ہے۔ وہ اپنی پرواز تخیل کے ساتھ اپنے مخاطب مزدور کو اسی بلندی پر لے جاتا ہے جہاں سے وہ اس کے محبوب ماحول پر تبصرہ کرتا ہے اور اسے اپنی نظر بخش کر رگ و پے میں جرأت اور ہمت کا گرم خون دوڑا دیتا ہے۔

احسانؔ کو فطرت کی طرف سے ایسی خوردہ گیر نظر اور نکتہ رس طبیعت ملی ہے کہ جب وہ کسی واقعہ سے متاثر ہو کر نظم سرانجام دیتا ہے تو اس کی شاعری دکھتے دلوں اور ڈبڈباتی آنکھوں کا مرقع بن جاتی ہے اور جب وہ مناظر قدرت کی کیفیات میں ڈوب کر کوئی نغمہ الاپتا ہے تو اس کی نظر فطرت کی نظر اور کلام ایک الہام معلوم ہونے لگتا ہے۔

احسانؔ کی غزلوں میں سوز و ساز کے علاوہ تصوف۔ فلسفہ اور محاکات بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اشعار میں روانی اور روانی میں موسیقی اس طرح پہلو بہ پہلو پائی جاتی ہے کہ ہر مصرع کو شاعرانہ موسیقی بھی کہہ سکتے ہیں اور موسیقیانہ شاعری بھی۔ اس جواں سال شاعر نے زندگی کی دشوار گذار منزلوں اور پریشان کن مصروفیتوں کے باوصف اپنی دیگر کتب کے علاوہ نظموں اور غزلوں کے مندرجہ ذیل پانچ مجموعے مرتب کئے ہیں۔

نوائے کارگر	چراغاں	آتشِ خاموش	نفیرِ فطرت	جادۂ نو
عالر	عیر	عہ ر	عہ ر	۸ ر

ملنے کا پتہ

مکتبۂ دانش مزنگ لاہور

جادۂ نو

یہ کتاب قطعات کا مجموعہ ہے اُردو میں آج تک اِس انداز کے
قطعات پائے جاتے ہیں اور نہ اِس آرٹ کا کوئی ذخیرہ موجود ہے
اِس جدت پسند اور حساس شاعر نے اِن قطعات میں سینکڑوں
مختلف مناظر اور معاشرت کے بیمار پہلوؤں کو تشبیہی عمل سے
چولی دامن کیا ہے۔ یُوں تو **احسان** اول ہی سے فطرت نگاری
میں یگانۂ روزگار ہے لیکن اِن قطعات میں تو اِس کی یہ خصُوصیت
اپنی معراج پر ہے۔

اس کتاب کے مُطالعہ سے ہر تندرُست دماغ یہ محسُوس کریگا کہ
اگر **احسان** عمر بھر ہی اسی ایک کتاب کی صُورت میں اپنا
نقشِ حیات چھوڑتا تو بھی اِس کو اہلِ فن کی نگاہوں میں محترم
اور تاریخی حیثیت سے زندۂ جاوید کردینے کیلئے کم نہ تھی قیمت ۸ر

پتہ:۔ مکتبہ دانش مزنگ لاہور

آتشِ خاموش

یہ کتاب

ہندوستان کے مزدور شاعر

احسان دانش کی شعلہ آفریں نظموں اور جنوں نواز غزلوں کا مجموعہ ہے

شاعر نے فاقہ کشی کے الم پرور مناظر، محنت اور سرمایہ داری کے خونچکاں

مرقعے، پامال انسانیت کے درد انگیز خاکے اور دولتمندی کے بیدار کُن مظالم اس خلوص اور

دیانت سے پیش کیے ہیں کہ ہر نظم خوابیدہ غیرت کو بیدار کر دیتی ہے۔

"آتشِ خاموش" کے ہر شعر پر ناتواں سے ناتواں انسان کا خون جوش کھانے لگتا ہے

اور کمزور سے کمزور ہستی آزادی کی جدوجہد کیلئے بیتاب ہو جاتی ہے قیمت عہ

پتہ:- مکتبہ دانش مزنگ لاہور

تاج زریں رقم لاہور